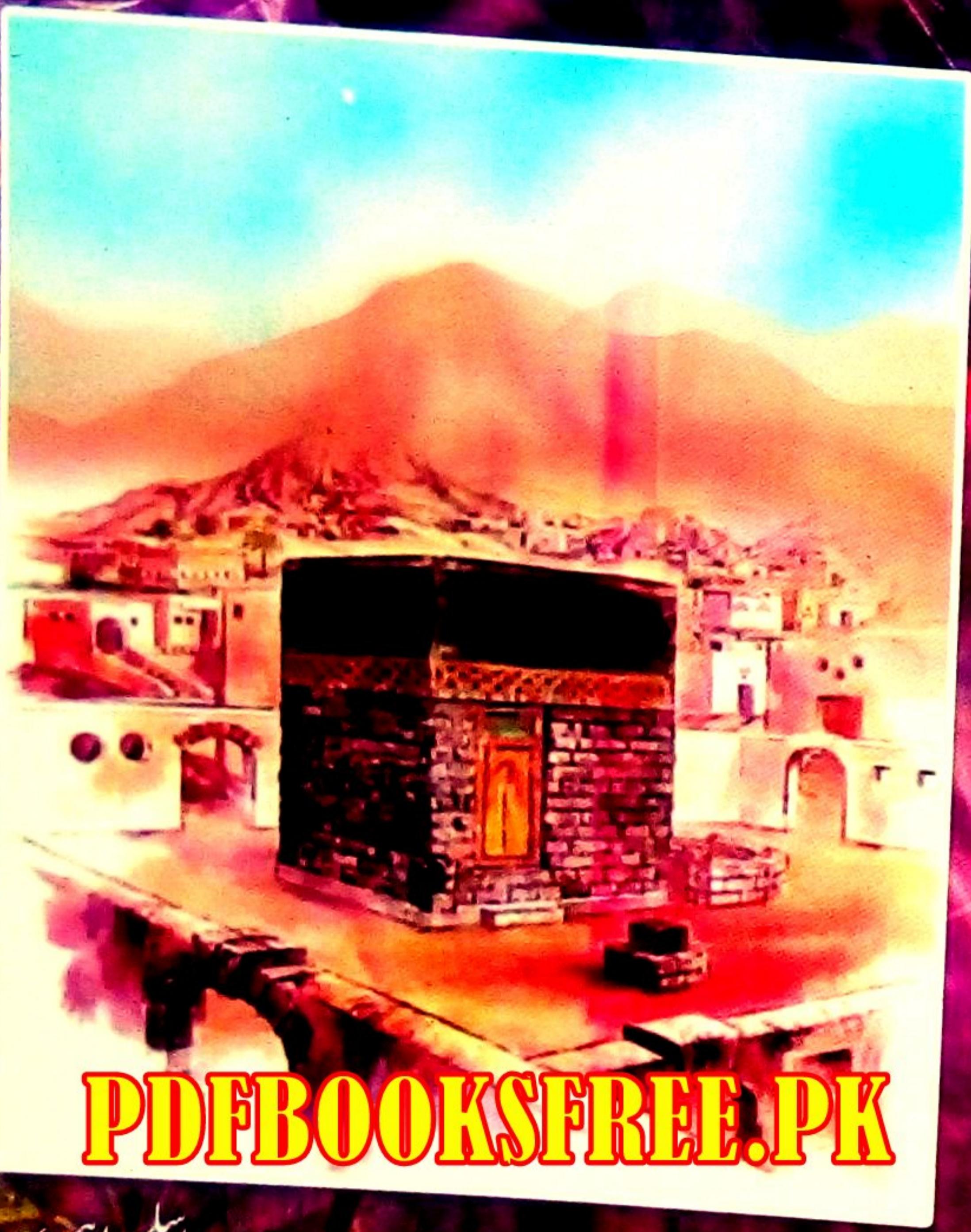


العلیہ مصطفیٰ

حضرت ابراہیم



PDFBOOKSFREE.PK

اسلام رامی ۲۰۱۷

# حضرت ابراہیم عليه السلام

اسلام راہی ایم اے

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY  
www.pdfbookfree.pk

## عرض ناشر

ادارہ شمع بک ایجنسی کی عرصہ دراز نے یہ کوشش تھی کہ تاریخ پر چھوٹی چھوٹی اور مختصر کتابیں شائع کی جائیں۔ جن سے بچ، بوزہے اور جوان سب ہی استفادہ حاصل کر سکیں۔ مگر مشکل یہ تھی کہ تاریخ پر قلم کس سے اٹھانے کو کہا جائے کیونکہ ہمارے ہاں تاریخ کے نام پر کچھ ایسی کتب ملتی ہیں جن میں سرے سے تاریخ نام کی کوئی چیز نہیں، بس قصے کہانیاں یا رومانس بھر دیا گیا ہے۔

ادارہ کی نظر مشہور و معروف تاریخ داں اسلام راہی صاحب پر پڑی اور ہم نے ان سے رابطہ کیا اور مشہور و معروف مسلمان و غیر مسلم تاریخی شخصیات پر قلم اٹھانے کو کہا۔ وہ جلد ہی راضی ہو گئے اور پھر یہ سلسلہ چل لگا۔ ہم نے قوم کو تاریخ کا اصل چہرہ دکھایا ہے اور تاریخ کو تاریخی پیش کیا ہے۔ تاکہ من گھرست قصے کہانیاں۔

ہمارے ادارے نے تقریباً 100 کے قریب تاریخی شخصیات پر کتب شائع کن اشاعت —

قیمت — 40/- روپے

کرنے کا ارادہ کر رکھا ہے۔ ان میں مشہور و معروف جلیل القدر پہ سالار، بادشاہ، جریل، فاتح وغیرہ شامل ہیں اور ایسی غیر مسلم شخصیات کو بھی لیا گیا ہے جن کے بغیر تاریخ نامکمل ہے۔ ان میں کچھ شخصیات ایسی بھی ہیں جنہیں پہلی بار کتابی صورت میں شائع کرنے کا اعزاز ہمارے ادارے کو حاصل ہو رہا ہے۔ مشہور و معروف شخصیات مثلاً صلاح الدین ایوبی، حیدر علی، ٹیپو سلطان، محمد بن قاسم، طارق بن زیاد، نور الدین زنگی، محمود غزنوی، موسیٰ بن نصیر، الپ ارسلان، ملک شاہ سلجوقی، عماد الدین زنگی، خیر الدین باربر و ساوغیرہ اس کے علاوہ چنگیز خان، ہلاؤ کو

جملہ حقوق بحق پبلیشورز محفوظ ہیں

نام کتاب — حضرت ابو اہیم

تحریر — اسلام راہی اہم

ناشر — شمع بک ایجنسی

پرنٹر — برکت اینڈ سنسن

کن اشاعت —

فہرست —

شمع بک ایجنسی  
نویدا سکوائر گرل پارک  
اردو بازار  
Ph: 32773302

آج کرہ ارض پر جاڑ کی سرز میں کو تقدس حاصل ہے اور اس کے حسین و جميل اور عظیم الشان شہر کو مکہ کے نام سے عروں البلاد کہا جاتا ہے کسی وقت وہاں سنگارخ اور وحشت ناک بیابان تھے لیکن سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دم قدم سے اسے ایسا عظیم الشان رتبہ حاصل ہوا جس پرفت افلاک بھی رشک کرتے ہیں۔ علامہ طاہر کردی اس سلسلے کی تصویر کچھ اس طرح کھینچتے ہیں۔

آج سے چار ہزار سال قبل یہ زمین کئی خاردار درختوں سے اٹی پڑی تھی یہاں نہ پانی تھا اور نہ سبزہ اور نہ گھاس پھوس اور نہ جانور، نہ تو انسانوں کے قدم اس زمین سے آشنا تھے اور نہ جن یہاں آباد تھے۔ بلند و بالا پہاڑ ہر جانب ایستادہ تھے آج کے دور کے برعکس مکہ مکرمہ کی زمین بہت بلند تھی کیونکہ بارش کے سیلاں پہاڑوں سے ریت پھر بہا کر لاتے اور اس نیشی زمین اور پہاڑیوں کی گھائیوں پر مسلسل جمع کرتے رہے علاوہ ازیں جب شہر آباد ہو گیا تو لوگوں نے بھی عمل جاری رکھا پہاڑوں سے پھر اور مٹی لا کر گڑھے اور نیشی جگہ کو پر کرتے رہے جس کے باعث بتدریج پہاڑوں کی بلندی کم ہوتی گئی چنانچہ جو پست جگہ تھی وہ بلند ہوتی چلی گئی چنانچہ اس سرز میں کی عظمت کی ابتداء اللہ تعالیٰ کے محترم مقدر بن جاتی ہے۔ آئیے ہم تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں اور اس سے سبق حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

## شمع بک ایجنسی

4

حضرت ابراہیم علیہ السلام

خان، ہیلن آف ٹرائے، نپولین بوناپارٹ، سکندر اعظم، ہتلر وغیرہ جیسی شخصیات کو بھی شامل کیا ہے۔ ہمارے اس تاریخی سلسلے کی فہرست کافی طویل ہے۔

ہمارے ادارے نے وطن عزیز کے طالب علموں کو تاریخ کی طرف لانے کی جو کوشش کی ہے اس میں ہمیں آپ کے تعاون کی سخت ضرورت ہے اور ساتھ ہی ہم حکومت پاکستان سے بھی یہ گزارش کریں گے کہ وہ اس تاریخی سلسلے کو اسکولوں اور کالجوں کی سطح پر سلپیس کے طور پر شامل کرے۔

اسلم را ہی صاحب کے خیالات سے آپ اختلاف تو کر سکتے ہیں مگر انکار نہیں۔ اختلاف کرنا ہر آدمی کا حق ہے اور ضروری نہیں کہ ہمارا ادارہ بھی مصنف کے تمام خیالات سے متفق ہو۔

مگر مصنف نے جس طرح تاریخ کو کھنگاں کر مختصر صفحات میں پیش کیا ہے اس کے لئے یہ مبارکباد کے مستحق ہیں۔

ہم تاریخ سے منہ نہیں موڑ سکتے ہمیں تاریخ سے سبق حاصل کرنا چاہئے۔ خدا کرے کہ ہم میں پھر صلاح الدین ایوبی، محمد بن قاسم، طارق بن زیاد، حیدر علی، نیپو سلطان اور نور الدین زنگی جیسی شخصیات جنم لیں۔ جو قویں تاریخ سے سبق حاصل نہیں کرتیں، جو قویں تاریخ کو چیچھے چھوڑ دیتی ہیں، جو قویں تاریخ کو گزر ہوا کل کہہ کر روکر دیتی ہیں۔ وہ قویں کبھی ترقی نہیں کرتیں۔ تباہی ان کا خالد علی

کے لقب سے مشہور ہوا۔

اور بعض کاگان ہے کہ آزر کے معنی کم فہم اور بیوقوف کے ہیں اور تاریخ میں  
یہ باقی موجود تھیں اس لیے اس سے موصوف کیا گیا۔

قرآن مجید نے اسی مشہور و صفحی علم کو بیان کیا ہے۔

اور دوسرے خیال کے علماء کی تحقیق یہ ہے کہ آزر اس بنت کا نام تھا جس کا  
تاریخ بچاری تھا چنانچہ اسی لیے خدا نے قرآن مجید میں فرمایا۔

”کیا تو آزر کو خدا منتا ہے یعنی بتوں کو خدا منتا ہے۔“

چنانچہ اس گروہ کا یہ کہنا ہے کہ آزر باب کا نام نہیں بلکہ بنت کا نام ہے اور  
اس طرح قرآن مجید میں اس کے والد کا نام مذکور نہیں۔

ایک مشہور قول یہ بھی ہے کہ حضرت ابراہیم کے والد کا نام تاریخ تھا اور پچا  
کا نام آزر اور کیونکہ آزر ہی نے ان کی تربیت کی تھی اور با منزلمہ اولاد کے پالا تھا  
اس لیے قرآن مجید میں آزر کو باب کہہ کر پکارا گیا۔

علامہ عبدالوہاب نجار کی رائے یہ ہے کہ ان اقوال میں قرین قیاس اور قابل  
قول یہ ہے کہ آزر بنت کا نام تھا اس لیے کہ مصریوں کے قدیم دیوتاؤں میں سے  
ایک نام ازر لیں بھی آتا ہے جس کے معنی خدائے قوی اور عصین ہیں اور اضام  
پرست کا اقوام کا شروع سے یہ دستور رہا ہے کہ قدیم دیوتاؤں کے نام ہی پر جدید  
دیوتاؤں کے نام رکھ لیا کرتے تھے۔ اس لیے اس کا نام بھی قدیم مصری دیوتا کے  
نام پر آزر رکھا گیا اور نہ حضرت ابراہیم کے والد کا نام تاریخ تھا۔

لیکن جمہور موئرخ کہتے ہیں یہ سب تکلفات ہیں اس لیے کہ قرآن مجید

ابراہیم کا ذکر کچھ سورہ میں آتا ہے۔ حضرت ابراہیم کی زندگی کے حالات  
شروع کرنے سے پہلے ان کا نسب نامہ پیش کیا جاتا ہے۔

حضرت ابراہیم کا نسب نامہ توریت میں اس طرح لکھا گیا ہے۔

”ابراہیم بن تاریخ بن ناحور بن سروج بن فانح بن عابر بن شاعر  
بن ازفلشاو بن سام بن نوح“،

اس نسب نامے کی تشریح توریت اور تاریخ کے مطابق ہے مگر قرآن مجید  
نے ان کے والد کا نام آزر بتایا ہے قرآن مجید میں فرمایا۔

”وہ وقت یاد کرو جب ابراہیم نے اپنے باپ آزر سے کہا۔ کیا تو بتوں کو  
خدا بناتا ہے۔“

توریت میں باپ کا نام تاریخ جبکہ قرآن مجید میں باپ کا نام آزر لکھا ہوا  
ہے۔ چنانچہ علماء اور مفسرین نے اس مسئلے کی تحقیق میں دو آراء اختیار کی ہیں۔

پہلی یہ کہ ایسی صورت کی جائے کہ دونوں ناموں کے درمیان مطابقت  
ہو جائے اور یہ اختلاف جاتا رہے دوئم یہ کہ تحقیق کے بعد فیصلہ کن بات کہی  
جائے کہ ان دونوں میں کون صحیح ہے اور کون غلط یا دونوں صحیح ہیں مگر دو جدا جدا  
ہستیوں کے نام ہیں۔

پہلے خیال کے علماء کی رائے یہ ہے کہ یہ دونوں نام ایک ہی شخصیت سے  
وابستہ ہیں تاریخ اسکی نام ہے اور آزر و صفحی نام ہے۔

ان میں سے بعض کہتے ہیں کہ آزر عبرانی زبان میں محبت صنم کو کہتے ہیں اور  
کیونکہ تاریخ میں بت تراشی اور بت پرستی دونوں صورتیں موجود تھیں اس لیے آزر

قسم کے توہین آمیز الفاظ کے ساتھ خطاب کرے۔

پس بلاشبہ تاریخ کا تاریخ آزر ہی ہے اور وہ حضرت ابو اہیم کا باپ ہی تھا اور تاریخ غلط نام ہے یا آزر کا ترجمہ ہے جو توریت کے دوسرے علوم کی طرح ترجمہ نہ رہا بلکہ اصل بن گیا۔

حضرت ابو اہیم کے باپ کے سلسلے میں جو اختلاف توریت اور قرآن مجید میں ہے اس کو بنیاد بنا کر بہت سے مغربی موئیخین نے مسلمانوں کی دل آزاری کا باعث بننے کی بھی کوشش کی ہے سب سے پہلے ستر ہویں صدی کا ایک عیسائی عالم ہمارے سامنے آتا ہے اس کا نام مراثی تھا اس نے قرآن مجید کا ترجمہ کیا اور قرآن مجید پر نہایت رقیق اور متعقبانہ حملے کیے ہیں اس نے اس موقع پر بھی عادت کے مطابق ایک مہمل اور لچڑا عتراض کیا جس کا حاصل یہ ہے کہ یوز بیوس کی تاریخ کلیسا کی ایک عبارت میں یہ لفظ آیا ہے جس کو غلط تلفظ کے ساتھ قرآن مجید سے ملا دیا۔

لیکن طرفہ تماشایہ ہے کہ یہ مراثی اپنے اس دعوے کے ثبوت میں تاریخ کلیسا کی نہ وہ عبارت پیش کرتا ہے جس سے یہ لفظ ماخوذ کیا گیا ہے اور نہ اصل لفظ کا پتا دیتا ہے کہ اس سے یہ غلط لفظ بنالیا گیا اور نہ یہ بتلاتا ہے کہ آخر حضور پاک کو اس نقل کی کیا ضرورت پیش آئی تھی اس لیے یہ قطعاً بے دلیل اور بے سروپا بات ہے جو محض تعصباً اور جاہلیت کی وجہ سے کہی گئی اور حق یہی ہے جو قرآن مقدس نے فرمایا۔

دوسرًا شخص جس نے اعتراض کھڑا کیا وہ اپر گر ہے دائرہ معارف اسلامیہ

نے جب سراحت کے ساتھ آزر کو حضرت ابو اہیم کا باپ کہا ہے تو پھر محض علمائے انساب اور بابل کے تجھیں قیاسات سے متاثر ہو کر قرآن مجید کی یقینی تعبیر کو مجاز کہنے یا اس سے آگے بڑھ کر خواہ مخواہ قرآن مجید میں نحوی مقدرات ماننے پر کون کی شرعی اور حقیقی ضرورت مجبور کرتی ہے۔

مفسرین مزید لکھتے ہیں کہ بر سبیل تسلیم اگر آزر عاشق صنم کو کہتے ہیں یا بت کا نام ہے تو بھی بغیر تقدیر کلام اور بغیر کسی تاویل کے یہ کیوں نہیں ہو سکتا کہ ان ہر دو وجہ سے آزر کا نام رکھا گیا جیسا کہ اقسام پرست اقوام کا قدیم سے یہ دستور رہا ہے کہ وہ کہیں اپنی اولاد کا نام بتوں کا غلام ظاہر کر کے رکھتے تھے اور کبھی خود بت کے نام سے ہی رکھ دیا کرتے تھے۔

نیز جس مقدس انسان یعنی حضرت ابو اہیم کی اخلاقی بلندی کا یہ عالم ہو کہ جب بت پرستی کی نہ ملت کے سلسلے میں آزر سے مناظرہ ہو گیا اور آزر نے زوج ہو کر آپ کو مناطب کر کے کہا:

”اے ابو اہیم کیا تو میرے خداویں سے بے زار ہے تو اگر اس حرکت سے بازنہ آیا تو میں ضرور تجوہ کو سنگ سار کروں گا اور جا میرے سامنے سے دور ہو جا۔“

تو اس سخت گیر اور دل آزر گفتگو کے موقع پر بھی آپ نے پدری رشتہ کی بزرگی کا احترام کیا اور جواب میں صرف اتنا فرمایا:

”تجھ پر سلامتی ہو عنقریب تیرے لیے اپنے پروردگار سے بخشش چاہون گا بلاشبہ وہ میرے ساتھ بڑا ہیراں ہے۔“

اس ہستی سے یہ کیسے توقع ہو سکتی ہے کہ وہ اپنے باپ آزر کو بیوقوف اور اس

کرنے سے انکار کر دیا اور وہ آپ کے دشمن ہو گئے۔

اب حضور اکرم ﷺ نے فکر تامل کیا اور خوب سوچا۔ آخران کی ذکاوت اور جودت طبع نے راہنمائی کی اور انہوں نے عرب کے یہود کی یہودیت سے جدا ایک ایسے دین کی بنیاد ڈالی جس کو یہودیت ابو اہیم کہنا چاہیے لہذا اس سلسلے کی تکمیل کے لیے قرآن پاک کی مدنی سورتوں میں حضرت ابو اہیم کی شخصیت کو اس طرح پیش کیا گیا کہ وہ ملت خلق کے داعی عرب کے پیغمبر حضرت اسماعیل کے والد کعبہ کے مویس نظر آتے ہیں۔

یہ دعویٰ جو اسپر نگر کے علاوہ سنوک جیسے اسلام دشمن مستشرقین کی جانب سے محفوظ اس لیے اختراع کیا گیا ہے کہ اس قسم کی لچر بنیادوں پر مسیحیت کی برتری اور اسلام کی تحقیر کی عمارت تیار ہو سکے اور نیز یہ کہ ابو اہیم کے متعلق یہ ثابت کیا جائے کہ ان کا عرب کے ساتھ نہ نسلی تعلق تھا اور نہ ہی دینی۔

لیکن جب ایک موڑخ اور ایک نقاد مستشرقین کے اس دعوے اور دعوے کے دلائل کو صرف تاریخی اور تنقیدی حیثیت سے دیکھتا ہے تو بھی اس کو یہ صاف نظر آتا ہے کہ جو کچھ کہا گیا ہے حقائق اور واقعات سے قصداً چشم پوشی کر کے محض عداوت اور بغرض اور عناد کی راہ سے بے دلیل کر کے کہا گیا۔

اس لیے کہ اس سلسلے میں سب سے بڑی دلیل یہ پیش کی گئی ہے کہ کمی سورتوں میں حضرت ابو اہیم کے متعلق وہ اوصاف نظر نہیں آتے جو مدنی آیات میں پائے جاتے ہیں۔

مگر افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ سراسر غلط بلکہ قصد ارادے کے ساتھ

نے اس کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے اسپر نگر نے یہ دعویٰ کیا کہ قرآن مجید میں ایک عرصے تک حضرت ابو اہیم کی شخصیت کعبہ کے باñی اور دینِ حدیفیہ کے ہادی کی حیثیت سے روشنی میں نہیں آتی البتہ عرصہ دراز کے بعد ان کی شخصیت کو ان صفات کے ساتھ متصف ظاہر کیا گیا ہے اور ان کی ذات کی خاص اہمیت نظر آتی ہے۔ چونکہ یہ دعویٰ اپنی اجمالی تعبیر کے لحاظ سے ابھی تک نہ تکمیل تھا اس لیے ایک طویل زمانے کے بعد ایک شخص سنوگ نے بڑے شرح اور سطح کے ساتھ پیش کیا اور اس نے کہا:

قرآن پاک میں جس قدر کی آیات اور سورتیں ہیں ان میں سے کسی ایک مقام پر بھی حضرت اسماعیل کا حضرت ابو اہیم کے ساتھ رشتہ نظر نہیں آتا ہے ہی ان کو اول مسلمین بتایا گیا ہے بلکہ وہ صرف ایک نبی اور پیغمبر کی حیثیت میں نظر آتے ہیں اُن کے ذکرے کی ایک آیت بھی اسکی نہیں ملتی جو ان کو مویس کعبہ حضرت اسماعیل کا باپ، عرب کا پیغمبر، ہادی اور ملت خلق کا داعی ظاہر کرتی ہو آگے بھی مزید لکھتا ہے کہ البتہ جب حضور کی مدنی زندگی شروع ہوتی ہے تو مدنی سورتوں میں حضرت ابو اہیم کے ذکر کے وقت یہ تمام خصوصیت نمایاں کی جاتی ہیں اور اہمیت کے ساتھ روشنی میں لاتی جاتی ہیں ایسا کیوں ہوا اور یہ اختلاف کیوں موجود ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ مذکور میں حضور اکرم ﷺ اپنے تمام امور میں یہود پر اعتماد رکھتے اور انہیں کے طریقوں کو پسند فرماتے تھے لہذا اُس وقت تک ابو اہیم کی شخصیت کو انہوں نے اس نظر سے دیکھا جس نظر سے یہود دیکھتے لیکن طینہ پہنچ کر حضور اکرم ﷺ نے اسلام کی دعوت دی تو یہود یوں نے قبول

علمی بد دیانتی ہے کہ مکی سورتوں میں صرف انھیں کا حوالہ دیا گیا جن میں حضرت ابراہیم کو فقط ایک پیغمبر کی صورت میں ظاہر کیا گیا ہے۔ پھر وہ مکی سورت جو ابراہیم کی شخصیت کو ہمہ حیثیت سے نمایاں کرائے ان کے نام ہی سے معنون کر کے نازل کی گئی ہے یعنی سورہ ابراہیم اس کو اہل یورپ نظر انداز کر جاتے ہیں تاکہ قرآن مجید سے براہ راست فائدہ نہ اٹھاسکنے والے حضرات کے سامنے جہالت کا پردہ پڑا رہے اور ان کی کورانہ تقلید میں وہ ان کے غلط دعوے کو صحیح سمجھتے رہیں۔

سورہ ابراہیم کی ہے اس کی آیات کا نزول ہجرت سے قبل مکہ میں ہی ہوا اور وہ حسب ذیل حقائق کا اعلان کرتی ہے:

حضرت ابراہیم عرب یعنی ججاز کے اندر قیام پذیر ہیں اور خدا کے رسول کی حیثیت سے خود کو اپنی اولاد کو بت پرستی سے پچنے اور اُس مقام کو امن عالم کا مرکز بنانے کی دعا کرتے ہیں دعا کرتے ہوئے آپ نے فرمایا:

”اے پروردگار، اس شہر مکہ کو امن کا مرکز بنانا اور مجھ کو اور میری اولاد کو نماز قائم کرنے والا بنادے اے ہمارے پروردگار ہماری دعا سن، اے ہمارے پروردگار تو مجھ کو اور میرے والدین کو اور کل مومنوں کو قیام حساب یعنی قیامت کے روز بخش دے۔“

حضرت ابراہیم اقرار کرتے ہیں کہ سرز میں ججاز جو عرب کا قلب ہے انھیں کی بہزادے سے آباد ہوئی اور انھوں نے ہی اس کو بسایا اور وہی اس چھٹیل میدان پیغمبرتہ الحرام یعنی کعبہ کے موئیس ہیں اس میدان میں آپ کی دوسرا دعا قابل

غور ہے آپ نے فرمایا:

”اے ہمارے پروردگار بے شک میں نے اپنی بعض ذریت کو اس بن کھتی کی سرز میں میں تیرے گھر کعبہ کے نزدیک آباد کیا ہے۔ اے ہمارے پروردگار یہ اس لیے تاکہ وہ نماز قائم کریں پس تو لوگوں میں سے کچھ کے دل اس طرف پھیر دے کہ وہ اس کعبہ کی بدولت ان کی جانب مائل ہوں اور ان کو پھلوں سے رزق عطا کرتا کہ یہ شکر گزار بنیں۔“

حضرت ابراہیم حضرت اسماعیل اور حضرت اسحاق کے والد ہیں اور یہی حضرت اسماعیل اہل عرب کے باپ ہیں اور حضرت ابراہیم نے اپنی اولاد کے

لیے ملتِ خلق کے صلوٰۃ کی اقامت کی دعا بھی کی جو درج ذیل ہے:

”سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے بڑھاپے میں مجھ کو اسماعیل اور اسحاق بخشابلاشبہ میرا پروردگار دعا کا سننے والا ہے۔ اے پروردگار مجھ کو اور میری اولاد کو نماز قائم کرنے والا بنادے اے ہمارے پروردگار ہماری دعا سن، اے ہمارے پروردگار تو مجھ کو اور میرے والدین کو اور کل مومنوں کو قیام حساب یعنی قیامت کے روز بخش دے۔“

ان آیات کا مطالعہ کرنے کے بعد کیا ایک لمحہ کے لیے بھی کسی شخص کو یہ جرأت ہو سکتی ہے کہ وہ ان لغو اور بے سرو پا دعووں کی تصدیق کرے جن کو مستشرقین یورپ نے اپنی جہالت اور دانستہ جھوٹ کے ساتھ علمی تنقید کا عنوان دیا ہے کیا یہ آیات مکی نہیں اور ان سے وہ سب کچھ ثابت نہیں ہوتا جو مد نی آیات میں مذکور ہے۔

کی طرح محض بغرض و عناد کی خاطرا اختیار کیا گیا ہے۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ عرب کا بہت بڑا حصہ بت پرستی میں جنملا تھا اور اس سلسلے میں انہوں نے عقائد اور دین کے نام سے کچھ احکام مرتب کر کئے تھے مثلاً دیوتاؤں کی خذرا اور قربانی کے لیے سمائی، بھیرہ اور وحیلہ کی ایجاد اور مختلف بتوں کی پرستش کے قواعد اور ضوابط وغیرہ۔

اس لیے حضور نبی کریم ﷺ نے چب ان کو توحید اور اسلام کی دعوت دی شرک اور بت پرستی سے روکا تو وہ کہنے لگے کہ تمہارا یہ کہنا کہ ہم بے دین ہیں اور ہمارا کوئی الہامی دین نہیں ہے غلط ہے ہم تو خود مستقل دین رکھتے ہیں اور وہ ہمارے باپ دادا کا قدیمی دین ہے۔

الما جواب میں پھر قرآن پاک نے ان کے باطل عقائد کی حقیقت کو ان پر واضح کرنے کے لیے یہ طریقہ اختیار کیا ان کو بتایا جائے کہ کسی دین کے خدائی دین کے ہونے کے لیے وو قسم کی دلائل ہو سکتے ہیں یا حسی اور عقلی، ان سے یہ واضح ہو جائے کہ یہ خدا کا دین ہے اور اس کا مرغوب مذهب ہے اور یہ نظری روایات سے اس کا قطعی یقین اور ناقابل انکار ثبوت پیش کرتی ہو کہ یہ خدا کی بھی ہوئی شریعت ہے اگر یہ دونوں را ہیں کسی دعوے کے لیے بند ہیں تو وہ دعویٰ باطل اور اس کا مدعی کاذب ہے۔

لہذا قرآن پاک نے مشرکین کے اس دعوے کی تردید کے لیے آیات قرآنی کے تین حصے کر دیے۔ ایک حصے میں ان کے اس دعوے کا انکار اور دعوے کی غیر معقولیت کا اظہار کیا اور بتایا کہ مشرکین کا یہ کہنا کہ ہم کو خدا نے ابھا

اس طرح سورہ ابراہیم کے علاوہ سورہ انعام اور سورۃ النحل بھی مکی سورتیں ہیں ان میں بصراحت موجود ہے کہ حضرت ابراہیم شرک کے مقابلے میں ملتِ حنفی کے داعی رہے اور ان کی شخصیت اس دعوت میں بہت نمایاں اور ممتاز تھی۔ جیسا کہ کہا گیا:

” بلاشبہ میں اپنے چہرے کو اُس ذات کی طرف جھکاتا ہوں جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے اور میں شرک کرنے والوں میں سے ہرگز نہیں۔“  
” کہہ دو بلاشبہ مجھ کو میرے رب نے سیدھی راہ کی ہدایت کی ہے جو کج راہ سے الگ، صاف اور سیدھا پن ہے ملت ہے ابراہیم کی جو ایک خدا کی طرف جھکنے والے تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے۔“

” بے شک ابراہیم راہ ڈالنے والا اور حکم بردار تھا صرف ایک خدا کی طرف جھکنے والا اور شرک کرنے والوں میں سے نہ تھا پھر وحی کی ہم نے تیری جانب اے محمد اس بات کی کہ تو پیروی کرے اُس ابراہیم کی ملت کی جو صرف خدا نے واحد کی جانب جھکنے والا ہے اور مشرکوں میں سے نہیں۔“

مغرب کے مورخین یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر ابراہیم اور اسماعیل عرب کے پیغمبر ہوتے تو قرآن مجید امت عربیہ کے متعلق حضور اکرم ﷺ کو اس طرح مخاطب نہ کرتے جس طرح کیا ہے۔

جواب میں مسلمان علماء کا یہ کہنا ہے کہ یہ بھی ایک سخت مغالطہ ہے جو قرآن پاک کے طرز خطابت اور اسلوب بیان اور باطل پرستوں کی باطل پرستی کے خلاف دلائل کی ترتیب سے ناقصیت کی بناء پر پیدا ہوا ہے یا گزشتہ اعتراضات

ہی یعنی شرک کرنے کا حکم دیا بالکل غلط اور سراسر باطل ہے اس لیے خدا نے قرمایا۔

”بلاشبہ اللہ بے ہودہ خرافات کا حکم نہیں دیا کرتا اے مشرکین کیا تم اللہ کے ذمے وہ باتیں لگاتے ہو جو تم نہیں جانتے۔“

چنانچہ مغربی مورخین کا یہ کہنا کہ مشرکین عرب کے پاس حضور اکرم ﷺ سے پہلے کوئی پیغمبر نہیں آیا اور سرز میں عرب یعنی حجاز ہمیشہ خدا کے نبی اور پیغمبر کے وجود سے محروم رہے اور اس ملک میں محمد ﷺ کی آواز سب سے پہلی آواز ہے۔

حضرت ابراہیم کی اس عظمت کے پیش نظر جوانبیاء اور رسول کے درمیان ان کو حاصل ہے قرآن پاک کے ان واقعات کو مختلف اسلوب کے ساتھ جگہ جگہ بیان کیا ہے ایک مقام پر اگر اختصار کے ساتھ ذکر ہے تو دوسری جگہ تفصیل کے ہونے کی صاف اور صریح شہادتیں موجود ہیں بلاشبہ قرآن مجید اس قسم کے تضاد اختلاف سے قطعی بری ہے کہ ایک جگہ وہ ایک بات کا انکار کرے اور دوسری جگہ ساتھ تذکرہ کیا گیا ہے اور بعض جگہ مختلف اوصاف کے پیش نظر ان کی شخصیت کو نمایاں کیا گیا ہے اس لیے مناسب ترتیب کے ساتھ ان کو پیش کیا جا سکتا ہے۔

جهال تک توریت کا تعلق ہے تو وہ بتاتی ہے کہ حضرت ابراہیم عراق کے شہرار کے باشندے اور اہل فدان میں سے تھے اور ان کی قوم بت پرست تھی اور انجیل برنا بآس میں تصریح ہے کہ ان کے والدنجاری کا پیشہ کرتے تھے اور اپنی قوم کو مختلف قبائل کے لیے لکڑی کے بت بناتے اور فروخت کیا کرتے تھے۔

مگر خدا نے حضرت ابراہیم کو شروع ہی سے حق کی بصیرت اور رشد و ہدایت عطا فرمائی تھی اور یہ یقین رکھتے تھے کہ بت نہ سکتے ہیں، نہ دیکھ سکتے ہیں، نہ

چنانچہ قرآن مجید اسکی خلاف حقیقت بات کس طرح کہہ سکتا ہے جبکہ سورہ ابراہیم، سورہ انعام اور سورہ النحل میں حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل کے نبی کی صاف اور صریح شہادتیں موجود ہیں بلاشبہ قرآن مجید اس قسم کے تضاد اس بات کا اقرار اس لیے کہ وہ خدا عالم الغیب والشهادت کا کلام ہے نہ کہ بھول چوک کرنے والے انسان کا۔

کسی کی پکار کا جواب دے سکتے ہیں اور نہ نفع و نقصان کا ان سے کوئی واسطہ اور لکڑی کے کھلونوں اور دوسری بنی ہوئی چیزوں کے درمیان کوئی فرق اور امتیاز ہے۔

وہ صبح شام آنکھ سے دیکھتے تھے کہ ان بے جان مورتیوں کو میرا بابا پاپے ہاتھوں سے بناتا ہے اور گھر تارہتا ہے اور جس طرح اس کا جی چاہتا ہے ناک، کان، آنکھیں اور جسم تراش لیتا ہے اور خریدنے والوں کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہے تو کیا یہ خدا ہو سکتے ہیں یا خدا کے مثل اور ہمسر کہے جاسکتے ہیں۔

یہی وجہ تھی کہ حضرت ابراہیم نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا۔ ”مجسمے کیا ہیں جنہیں تم لیے بیٹھے ہو“ جواب میں کہنے لگے ”ہم نے اپنے باپ دادا کو انہی کی پوجا کرتے پایا ہے“ چنانچہ حضرت ابراہیم نے کہا۔ ” بلاشبہ تم اور تمہارے باپ دادا کھلی گمراہی میں ہیں۔“ چنانچہ انہوں نے جواب دیا۔ ”کیا تو ہمارے لیے کوئی حق لا یا ہے یا یونہی مذاق کرنے والے کی طرح کہتا ہے۔“ حضرت ابراہیم نے جواب میں کہا۔ ”یہ بت تمہارے رب نہیں ہیں بلکہ تمہارا پروردگار زمینوں اور آسمانوں کا پروردگار ہے جس نے ان سب کو پیدا کیا اور میں اسی بات کا قائل ہوں۔“

اور جب اس جلیل القدر نبی یعنی حضرت ابراہیم پر اللہ تعالیٰ کے جود و کرم اور عطا و نوال کا فیضان نہایت سرعت کے ساتھ ہورہا تھا تو اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ نے ان بیانات کی صفائی میں آپ کو نمایاں جگہ دی اور ان کی دعوت اور تبلیغ کا محور اور مرکز کو دین حنیف قرار دیا۔

حضرت ابراہیم نے جب دیکھا قوم بت پرستی، ستارہ پرستی اور مظاہر پرستی میں اس قدر منہک ہے کہ خدائے برتر کی قدرت مطلقاً اور ان کی احادیث و صدیت کا تصور بھی ان کے قلوب میں باقی نہیں رہا اور ان کے لیے خدا کی وحدانیت کے عقیدہ سے زیادہ کوئی اچنہبے کی بات نہ رہی تب آپ نے کمرہ مت چست کی اور ذات واحد کے بھروسے پران کے سامنے دین حق کا پیغام رکھا اور اعلان کیا۔

”اے قوم یہ کیا ہے جو میں دیکھ رہا ہوں کہ تم اپنے ہاتھوں سے بنائے ہوئے بتوں کی پرستش میں مشغول ہو کیا تم اس قدر خواب غفلت میں ہو کہ اس بے جان لکڑی کو اپنے آلات سے گڑھ کر مجسمے تیار کرتے ہو اگر وہ مرضی کے مطابق نہ بنیں تو ان کو توڑ کر دوسرے بنالیتے ہو، بنالینے کے بعد انہیں کو پوچھنے اور نفع و ضرر کا مالک سمجھنے لگتے ہو، تم ان خرافات سے باز آؤ، خدا کی توحید کے نفعے گاؤ اور اسی مالک حقیقی کے سامنے اپنا سر جھکاو جو میرا، تمہارا اور کل کائنات کا خالق اور مالک ہے۔“

مگر قوم نے ان کی آواز پر مطلق کان نہ دھرا کیونکہ گوش حق نیوش اور زنگاہ حق بین سے محروم تھی اس لیے اس نے جلیل القدر پیغمبر کی دعوت حق کا مذاق اڑایا اور زیادہ سے زیادہ تر دا اور سرکشی کا مظاہرہ کیا۔

جهاں تک حضرت ابراہیم کی پیدائش اور ان کے مذہبی، معاشرتی اور تہذیبی رحمانات کا ذکر ہے تو کہا جاتا ہے کہ 2100 قبل مسح کے لگ بھگ زمانہ میں جسے اب عام طور پر محققین حضرت ابراہیم کا زمانہ تسلیم کرتے ہیں آپ شہر ”ار“

ان میں پہلا طبقہ یعنی عميلو کو خاص اختیارات حاصل تھے ان کے فوج داری اور دیوانی حقوق دوسروں سے مختلف تھے ان کی جان و مال کی قیمت دوسروں سے بڑھ کر تھیں۔

یہ شہر اور معاشرہ تھا جس میں حضرت ابراہیم نے آنکھیں کھولیں ان کا اور ان کے خاندان کا جو حال یہودیوں کی کتاب تلمود میں ملتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عميلو طبقہ کے ایک فرد تھے اور ان کا باپ ریاست کا سب سے بڑا عہدہ دار تھا۔

ار کے کتبات میں تقریباً پانچ ہزار خداوں کے نام ملتے ہیں ملک کے مختلف شہروں کے الگ الگ خدا تھے ہر شہر کا ایک خاص محافظ خدا ہوتا تھا جسے رب البلد مہادیوتار نے الہہ سمجھا جاتا تھا اور اس کا احترام دوسرے معبدوں سے زیادہ ہوتا تھا۔  
ار شہر کا رب البلد فتار یعنی چاند دیوتا تھا اور اسی مناسبت سے بعد کے لوگوں نے اس شہر کا نام قمرینہ بھی لکھا ہے دوسرا شہر رسا تھا جو بعد میں ار کے بجائے مرکز سلطنت ہوا اس کا رب البلد شاش یعنی سورج دیوتا تھا ان بڑے خداوں کے ماتحت بہت سے چھوٹے خدا بھی تھے جو زیادہ تر آسمانی ستاروں اور سیاروں میں اور کم تر زمین سے منتخب کیے گئے تھے۔

وہ لوگ اپنی مختلف فروعی ضروریات ان سے متعلق سمجھتے تھے ان آسمانی اور زمینی دیوتاؤں اور دیویوں کی شبیہہ بتوں کی شکل میں بنائی گئی تھیں اور تمام مراسم عبادات انہیں کے آگے بجا لاتے تھے۔

فتار دیوتا کا بست ار میں سب سے اوپری پہاڑی پر ایک عالیہ ان عمارت میں

حضرت ابراہیم علیہ السلام میں پیدا ہوئے شہر "از" کی آبادی ان دنوں ڈھائی سے پانچ لاکھ کے قریب تھی۔ بڑا صنعتی اور تجارتی مرکز تھا ایک طرف پامیر اور نیل گری تک وہاں سے مال آتا جاتا تھا دوسری طرف اناطولیہ تک اس کے تجارتی تعلقات تھے جس ریاست کا یہ صدر مقام تھا اس کی حدود موجودہ حکومت عراق سے شمال میں کچھ کم اور مغرب میں کچھ زیادہ تھی۔

ملک کی بیشتر آبادی صنعت اور تجارت پیشہ تھی اس عہد کی جو تحریریں آثار قدیمه کے کھنڈروں میں دستیاب ہوئی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ زندگی میں ان لوگوں کا نقطہ نظر خالص مادہ پرستانہ تھا دولت کمانا اور زیادہ آسائش فراہم کرنا ان سب کا بڑا مقصد حیات تھا۔

سودخوری کثرت سے پھیلی ہوئی تھی سخت کار و باری قسم کے لوگ تھے ہر ایک دوسرے کوشک کی نگاہ سے دیکھتا تھا اور آپس میں بہت مقدمہ بازیاں ہوتی تھیں اپنے خداوں سے ان کی دعائیں زیادہ تر درازی عمر، خوشحالی اور کار و بار کی ترقی متعلق ہوا کرتی تھیں آپ جس سر زمین میں پیدا ہوئے وہاں معاشرہ تین طبقوں پر مشتمل تھا۔

پہلے طبقہ کو عميلو کہتے تھے یہ اوپری طبقے کے لوگ تھے جن میں بچاری حکومت کے عہدے دار اور لشکر کے سالار وغیرہ شامل ہوا کرتے تھے۔ دوسرا طبقہ مشکلینو کہلاتا تھا اس میں تاجر، اہل صنعت اور زراعت پیشہ لوگ تھے۔

اوپری سرے طبقہ کواردو کے نام سے پکارا جاتا تھا جس میں غلام ہوا کرتے تھے۔

بادشاہ فنار تھا اور فرما روانے ملک اس کی طرف سے حکومت کرتا تھا اس تعلق سے بادشاہ خود بھی معبودوں میں شامل ہو جاتا تھا اور خداوں کے مانند اس کی بھی پرستش کی جاتی تھی۔

ارکا خاندان جو حضرت ابراہیم کے زمانے میں حکمران تھا اس کے بانی اول کا نام ارغون تھا جس نے 2300 قبل مسح میں ایک وسیع سلطنت قائم کی تھی اس کی حدود مملکت مشرق میں سو سال سے لے کر مغرب میں لبنان تک پھیلی ہوئی تھی۔ اسی سے اس خاندان کو نہ کا نام ملا جو عربی میں جا کر نمرود ہو گیا۔

حضرت ابراہیم کی ہجرت کے بعد اس خاندان اور قوم پر مسلسل تباہی نازل ہونی شروع ہوئی پہلے عیالا میوں نے ارکوتباہ کیا اور نمرود کے فنار کے بٹ سمیت پکڑ لیے گئے پھر رسمیں ایک عیالا می حکومت قائم ہوئی جس کے ماتحت ارکا علاقہ غلام کی حیثیت سے رہا آخرا کار ایک عربی لشکر خاندان کے ماتحت باہل نے زور پکڑا رسما اور اردوں اس کے زیر حکم ہو گئے ان بتا ہیوں نے فنار کیا تھا ار کے لوگوں کا عقیدہ متزلزل کر دیا کیونکہ وہ ان کی حفاظت نہ کر سکتا۔

تعین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا کہ بعد کے ادوار میں حضرت ابراہیم کی تعلیمات کا اثر ان لوگوں نے کہاں تک قبول کیا لیکن 1910 قبل مسح باہل کے بادشاہ محور ای جس کا نام اسرائیل ہی لکھا گیا ہے اس نے جو قوانین مرتب کیے تھے وہ شہادت دیتے ہیں کہ بالواسطہ یا بلا واسطہ ان کی تدوین میں مفکوہ نبوت سے حاصل کی ہوئی روشنی کسی حد تک ضرور کار فرماتھی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قریب فنار کی بیوی فن گل کا معبد تھا فنار کے معبد کی شان ایک شاہی محل سرا کی سی تھی اس کی خواب گاہ میں روزانہ رات کو ایک پچار ان جا کر اس کی دہن بنی تھی مندر میں بکثرت عورتیں دیوتا کے نام پر وقف ہوتی تھیں ان کی حیثیت دیو داسیوں کی سی تھی۔

وہ عورت بڑی معزز خیال کی جاتی تھی جو خدا کے نام پر اپنی آبرو قربان کر دے کم از کم ایک مرتبہ اپنے آپ کو راہ خدا میں کسی اجنبی کے حوالے کرنا عورت کا ذریعہ نجات خیال کیا جاتا تھا اب یہ بیان کرنا کوئی ضروری نہیں کہ اس نہ ہبی قبیہ سے مستفید ہونیوالے زیادہ تر پچاری حضرات ہی ہوا کرتے تھے۔

فنار محض دیوتا ہی نہ تھا بلکہ ملک کا سب سے بڑا زمین دار سب سے بڑا تاجر سب سے بڑا کارخانے دار ملک کی سیاسی زندگی کا سب سے بڑا حاکم بھی تھا۔

بکثرت باغ، مکانات، زمینیں اس کے مندر کے لیے وقف تھیں اس جائیداد کی آمدی کے علاوہ کسان زمین دار سب ہر قسم کے غلے، دودھ، سونا، کپڑا اور دوسری چیزیں لا کر مندر میں نذر بھی کرتے تھے جنہیں وصول کرنے کے لیے مندر میں ایک خاصا بڑا عملہ موجود تھا بہت سے کارخانے مندر کے ماتحت قائم تھے۔

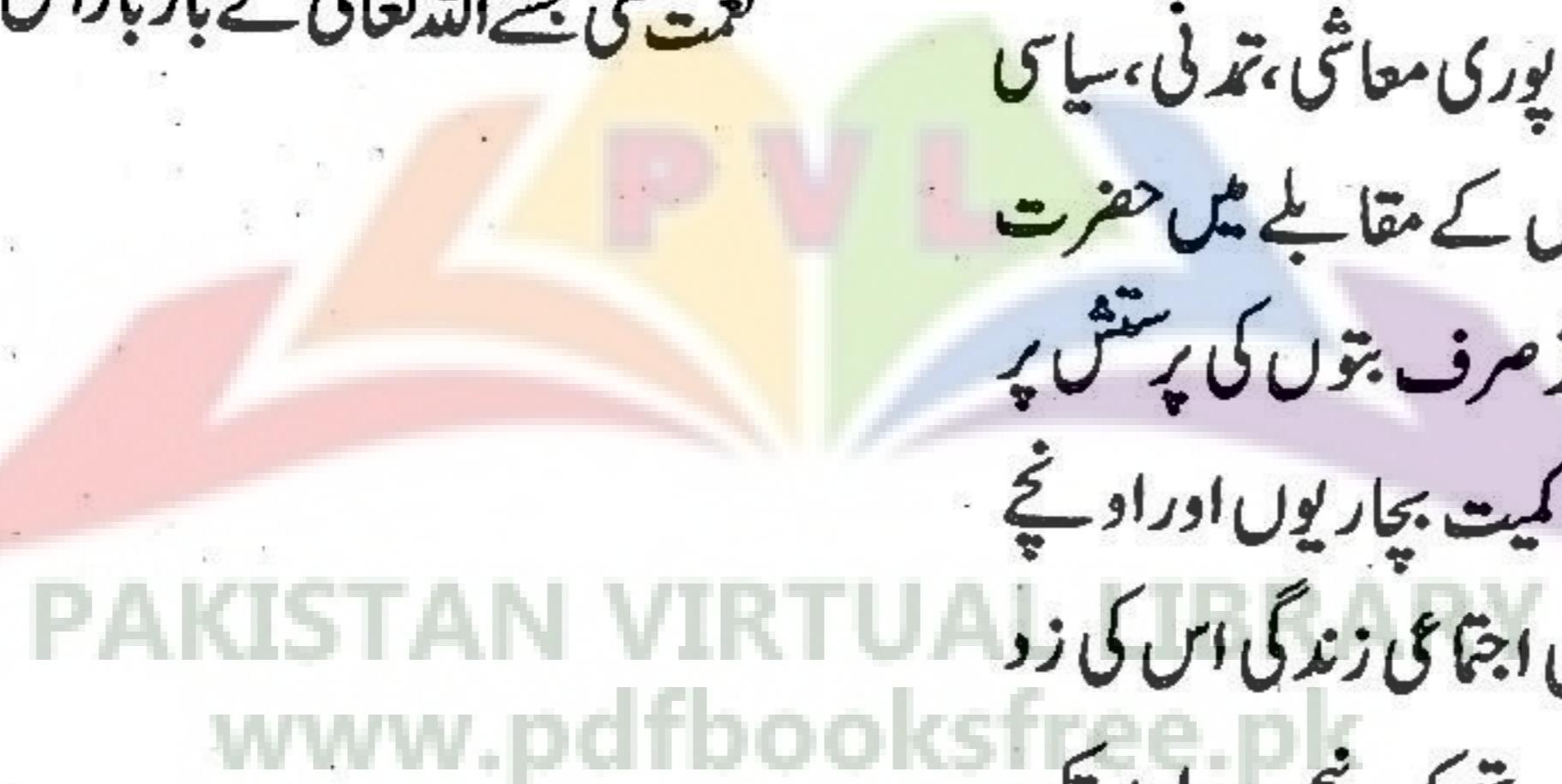
تجاری کاروبار بھی بڑے پیمانے پر مندر کی طرف سے ہوتا تھا یہ سب کام دیوتا کی نیابت میں پچاری ہی انعام دیتے تھے پھر ملک کی سب سے بڑی عدالت مندر ہی میں تھی پچاری ہی انعام دیتے تھے ان کے فیصلے خدا کے فیصلے سمجھے جاتے تھے خود شاہی خاندان کی حاکیت بھی فنار سے ہی ماخوذ تھی اصل

کرتے تھے دنیا میں اس علم کو پھیلاتے اور کوشش کرتے تھے کہ سب مالک کائنات کے مطبع ہو کر رہیں یہی خدمت تھی جس کے لیے وہ دنیا کے امام اور پیشووا بنائے گئے تھے اس کے بعد یہ امامت کا منصب ان کی نسل کی اس شاخ کو ملا جو حضرت اسماعیل، حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب سے پلی اور بنی اسرائیل کہلانی اس میں انبیاء پیدا ہوتے رہے اس کو راہ راست کا علم دیا گیا اس کے پرد یہ خدمت کی گئی کہ اس راہ راست کی طرف اقوام عالم کی راہنمائی کرے یہی وہ نعمت تھی جسے اللہ تعالیٰ نے بار بار اس نسل کے لوگوں کو یاد دلایا ہے۔

ان قوانین کا مفصل کتبہ 1902ء میں ایک فرانسی آثار قدیمہ کے ماہر کو ملا اس کا انگریزی ترجمہ 1903ء میں دا اولڈ سٹ کوڈ آف لائل کے نام سے شائع ہوا اس ضابطہ قوانین کے بہت سے اصول موسوی شریعت سے مشابہت رکھتے ہیں۔

یہ اب تک کی عصری تحقیقات کے نتائج اگر صحیح ہیں تو ان سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت ابو اہیم کی قوم میں شرک محض ایک مذہبی عقیدہ اور بت پرستانہ عبادات کا مجموعہ ہی نہ تھا بلکہ اس قوم کی پوری معاشی، تمدنی، سیاسی اور معاشرتی زندگی کا نظام اسی عقیدے پر مبنی تھا اس کے مقابلے میں حضرت ابو اہیم جو توحید کی دعوت لے کر اٹھے تھے اس کا اثر صرف بتوں کی پرستش پر ہی نہ پڑتا تھا بلکہ شاہی خاندان کی معبدیت اور حاکمیت بچاریوں اور اونچے طبقے کی معاشی اور سیاسی حیثیت اور پورے ملک کی اجتماعی زندگی اس کی زد میں آ جاتی تھی ان کی دعوت کو قبول کرنے کے معنی یہ تھے کہ یونچے سے اوپر تک ساری سوسائٹی کی عمارت ادھیرڑا لی جائے اور اسے ازسرنو توحید الہ کی بنیاد پر تعمیر کیا جائے اسی لیے حضرت ابو اہیم کی آواز بلند ہوتے ہی عوام اور خواص بچاری اور نمرود سب کے سب بیک وقت آپ کی آواز کو دبانے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔

حضرت ابو اہیم کا اصل کام دنیا کو اللہ کی اطاعت کی طرف بلانا تھا اور اللہ کی طرف سے آئی ہوئی ہدایت کے مطابق انسانوں کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کا نظام درست کرنا تھا وہ خود اللہ کے مطبع تھے اس کے دینے ہوئے علم کی پیروی



پھر یہ قصہ یوں کیوں بیان کیا گیا ہے کہ جب رات ہوئی یہ دیکھا اور دن ہوا تو یہ دیکھا گویا اس خاص واقعہ سے پہلے انہیں یہ چیزیں دیکھنے کا اتفاق نہ ہوا تھا حالانکہ ایسا ہونا صریحاً بعید از عقل ہے۔

یہ شبہ بعض لوگوں کے لئے اس قدر ناقابل حل بن گیا کہ اسے دفع کرنے کی ضرورت نہیں اس کے صورت نظر نہ آئی کہ حضرت ابو اہیم کی پیدائش اور پورش کے متعلق ایک معمولی قصہ تصنیف کر دیا چنانچہ بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت ابو اہیم کی پیدائش اور پورش ایک غار میں ہوئی تھی یہاں سن رشد تک پہنچنے تک وہ چاند تاروں اور سورج کے مشاہدے سے محروم رکھے گئے تھے حالانکہ بات بالکل صاف ہے اور اس کو سمجھنے کے لیے اس نوعیت کی کسی داستان کی ضرورت نہیں ہے نیوٹن کے متعلق مشہور ہے کہ اس نے باغ میں ایک سیب کو درخت سے گرتے دیکھا اور اس کا ذہن اچانک اس سوال کی طرف متوجہ ہو گیا کہ اشیاء آخر زمین پر ہی کیوں گرا کرتی ہیں یہاں تک کہ غور کرتے کرتے وہ قانون جذب و کشش تک پہنچ گیا۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اس واقعے سے پہلے نیوٹن نے کبھی کوئی چیز زمین پر گرتے نہیں دیکھی تھی ظاہر ہے ضرور دیکھی ہو گی اور بارہا دیکھی ہو گی پھر کیا وجہ ہے کہ اسی خاص تاریخ کو سب گرنے کے مشاہدے سے نیوٹن کے ذہن میں وہ حرکت پیدا ہوئی جو اس سے پہلے روز مرہ کے ایسے سینکڑوں مشاہدات سے نہ ہوئی تھی۔

اس کا جواب اگر ہو سکتا ہے تو یہی کہ غور و فکر کرنے والا ذہن ہمیشہ ایک

حضرت ابو اہیم نے جب ہوش سن بھالا تو ان کے گرد و پیش ہر طرف چاند سورج اور ستاروں کی خدائی کے ڈنکے نج رہے تھے اس لیے قدرتی طور پر حضرت ابو اہیم کی جستجو حقیقت کا آغاز اس سوال سے ہونا چاہیے تھا کہ کیا فی واقعہ ان میں سے کوئی اب ہو سکتا ہے اس مرکزی سوال پر انہوں نے غور و فکر کیا اور آخر کار اپنی قوم کے سارے خداوں کو ایک اٹل قانون کے تحت غلاموں کی طرح گردش کرتے دیکھ کر وہ اس نتیجہ پہنچ گئے کہ جن کے رب ہونے کا دعویٰ کیا جاتا ہے ان کے اندر الوہیت کا شاہد تک نہیں ہے رب صرف وہی ایک ہے جس نے سب کو پیدا کیا اور بندگی پر معمور کیا۔

حضرت ابو اہیم سے متعلق ارشاد ہوا کہ جب رات طاری ہوئی تو اس نے ایک تارا دیکھا جب وہ ڈوب گیا کہ پھر چاند دیکھا وہ ڈوب گیا، پھر سورج دیکھا جب وہ بھی ڈوب گیا یہ کہا کہ ”یہ خدا نہیں ہو سکتے۔“ اس پر ایک ناظر کے ذہن میں فوراً یہ سوال کھلتا ہے کہ کیا بچپن سے آنکھ کھولتے ہی روزانہ حضرت ابو اہیم پر رات طاری نہ ہوتی رہی تھی اور کیا وہ ہر روز چاند، تاروں اور سورج کو طلوع اور غروب ہوتے نہ دیکھتے تھے ظاہر ہے یہ غور و فکر تو انہوں نے سن بلوغت کو پہنچنے کے بعد ہی کیا ہو گا۔

منزوں پر غور اور فکر کے لیے ٹھہرتا ہے اصل اعتبار ان منزوں کا نہیں ہوتا بلکہ اصل اعتبار اس سمت کا ہوتا ہے جس پر وہ پیش قدی کر رہا ہے اور اس آخری مقام کا ہوتا ہے جہاں پہنچ کر وہ قیام کرتا ہے نجع کی منزیں ہر جو یائے حق کے لیے ناگزیر ہیں ان پر ٹھہرنا بسلسلہ طلب جستجو ہوتا ہے نہ کہ بصورت فیصلہ۔

اصلًا یہ ٹھہراؤ سوالی واستفہامی ہوا کرتا ہے نہ کہ حکم طالب جب ان میں سے کسی منزل پر رک کر کہتا ہے کہ ایسا ہے تو دراصل یہ اس کی آخری رائے نہیں ہوتی بلکہ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ایسا ہے اور تحقیق سے اس کا جواب نفی میں پا کروہ آگے بڑھ جاتا ہے اس لیے یہ خیال کرنا بالکل غلط ہے کہ اثنائے راہ میں جہاں جہاں وہ ٹھہرتا رہا ہے وہاں وہ عارضی طور پر کفریا شرک میں بتلا ہوتا رہا۔

چنانچہ تاروں بھری رات میں حضرت ابراہیم نے ایک تارہ دیکھا جو خوب لیکن وہ اپنے وقت مقررہ پر نظر سے او جھل ہو گیا اور اس کو مجال نہ ہوئی کہ اپنے پرستاروں کے لیے ایک گھری اور رہنمائی کر سکتا اور نظام کائنات مخرف ہو کر اپنے پوچنے والے کے لیے زیارت گاہ بنارہتا تب حضرت ابراہیم اگر ستارے ربو بیت کر سکتے ہیں تو یہ ان سب میں ممتاز اور روشن ہے۔

لیکن جب وہ اپنے وقت مقررہ پر نظر سے او جھل ہو گیا اور اس کو مجال نہ ہوئی کہ اپنے پرستاروں کے لیے ایک گھری اور رہنمائی کر سکتا اور نظام کائنات مخرف ہو کر اپنے پوچنے والے کے لیے زیارت گاہ بنارہتا تب حضرت ابراہیم نے فرمایا۔

میں چھپ جانے والے کو رب نہیں مانتا یعنی جس شے پر مجھ سے زیادہ تغیرات کا اثر پڑتا ہے اور جو جلد از جلد ان اثرات کو قبول کر لیتا ہے میرا معبدوں کیوں کر ہو سکتا ہے۔

طرح کے مشاہدات سے ایک ہی طرح متاثر نہیں ہو سکتا بارہا ایسا ہوتا ہے کہ آدمی ایک چیز کو ہمیشہ دیکھتا رہتا ہے اور اس کے ذہن میں کوئی حرکت پیدا نہیں ہوتی مگر ایک وقت اس چیز کو دیکھ کر یا کیا یک ذہن میں ایک کھلک پیدا ہو جاتی ہے جس سے فکر کی قوتیں ایک خاص مضمون کی طرف کام کرنے لگتی ہیں یا پہلے سے کسی سوال کی تحقیق میں الجھر رہا ہوتا ہے اور یا کیا یک روزمرہ کے مشاہدات میں کسی ایک چیز پر نظر پڑتے ہی گتھی کا وہ دوسرا سر الگ ہو جاتا ہے جس سے ساری الجھنیں سمجھتی چلی جاتی ہیں۔

ایسا ہی معاملہ حضرت ابراہیم کے ساتھ بھی پیش آیا راتیں روز آتی تھیں اور گزر جاتی تھیں سورج، چاند، تارے سب ہی آنکھوں کے سامنے ڈوبتے اور ابھرتے تھے لیکن وہ ایک خاص دن تھا جب ایک تارے کے مشاہدے نے ان کے ذہن کو اس راہ پر ڈال دیا جس سے وہ بلا آخر توحید الہ کی مرکزی حقیقت تک پہنچ کر رہے ممکن ہے حضرت ابراہیم کا ذہن پہلے سے اس سوال پر غور کر رہا ہو کہ جن عقائد پر ساری قوم کا نظام زندگی چل رہا ہے ان میں کس حد تک صداقت ہے اور پھر ایک تارا یا کیک سامنے آ کر کشود کار کے لیے قلید بن گیا ہوا اور یہ بھی ممکن ہے کہ تارے کے مشاہدے سے ذہنی حرکت کی ابتداء ہوئی ہو۔

اس سلسلے میں ایک سوال اور پیدا ہوتا ہے وہ یہ کہ جب حضرت ابراہیم نے تارے کو دیکھ کر کہا یہ تو میرا رب ہے اور جب چاند اور سورج کو دیکھ کر انہیں اپنا رب کہا تو کیا اس وقت عارضی طور پر ہی سہی وہ شرک میں جتنا نہ ہو گئے تھے اس کا جواب یہ ہے کہ ایک طالب حق اپنی جستجو کی راہ میں سفر کرتے ہوئے نجع کی جن

پھر نگاہ اٹھائی تو دیکھا چاند آب و تاب کے ساتھ سامنے موجود ہے اس کو دیکھ کر فرمایا یہی میرارب ہے۔

اس لیے کہ یہ خوب روشن ہے اپنی خنک روشنی سے سارے عالم کو بقعہ نور بنائے ہوئے ہے پس کو اکب کو اگر رب بنانا بھی ہے تو اسی کو کیوں نہ بنایا جائے کیونکہ یہی اس کا زیادہ مستحق ہے۔

اب سحر کا وقت ہونے لگا تو چاند کے ماند پڑ جانے اور روپوش ہونے کا وقت آن پہنچا اور جس قدر طلوع آفتاب کا وقت قریب ہوتا گیا چاند کا جسم دیکھنے والوں کی آنکھوں سے اوچھل ہونے لگا تو یہ دیکھ کر حضرت ابراہیم نے ایک ایسا جملہ فرمایا جس کے چاند کے رب ہونے کی نفی کے ساتھ خداۓ واحد کی ہستی کی جانب قوم کی توجہ اس خاموشی کے ساتھ پھیر دی جائے کہ قوم اس کا احساس بھی نہ کر سکے اور اس گفتگو کا جو مقصد وحید ہے یعنی خداۓ واحد پر ایمان وہ ان کے دلوں میں بغیر قصد اور ارادے کے پیوست ہو جائے۔

فرمایا اگر میرا حقیقی پروردگار میری را ہنمائی نہ کرتا تو میں ضرور گمراہ قوم میں سے ہوتا اس قدر فرمایا اور خاموش ہو گئے اس لیے کہ ابھی اس سلسلے کی ایک کڑی باقی ہے اور قوم کے پاس ابھی مقابلے کے لیے ہتھیار موجود ہے اس لیے اس سے زیادہ کہتا مناسب نہ تھا۔

تاروں بھری رات ختم ہوئی چمکتے ستارے اور چاند سب جب نظرؤں سے جھل ہو گئے اس لیے کہ اب آفتاب کا عالم تاب کا رخ روشن سامنے آ رہا تھا دن نکل آیا اور وہ پوری آب و تاب سے چمکنے لگا۔

حضرت ابراہیم نے اس کو دیکھ کر فرمایا یہ ہے میرارب کیونکہ یہ کو اکب میں سب سے بڑا ہے اور نظامِ فلکی میں اس سے برا استارہ ہمارے سامنے دوسرا نہیں ہے۔

لیکن دن بھر چمکنے اور روشن رہنے اور تمام عالم کو روشن کرنے کے بعد وقت مقررہ پر اس نے بھی عراق کی سر زمین سے پہلو بچانا شروع کر دیا اور اندھیری رات آہستہ آہستہ سامنے آنے لگی اور آخراً سورج نظرؤں سے غائب ہو گیا تو اب وقت آن پہنچا کہ حضرت ابراہیم اصل حقیقت کا اعلان کر دیں اور قوم کو لاجواب بنادیں۔

چنانچہ ان کے عقیدے کے مطابق اگر ان کو اکب کو رب بھیت اور معبدیت حاصل ہے تو اس کی کیا وجہ ہے کہ ہم سے بھی زیادہ ان میں تغیرات نمایاں ہیں اور یہ جلد جلد ان کے اثرات سے متاثر ہوتے ہیں اگر معبدوں ہیں تو ان میں چمک کر پھر ڈوب جانا کیوں ہے جس طرح چمکتے نظر آتے ہیں اسی طرح کیوں نہیں کہ دلوں میں بغیر قصد اور ارادے کے پیوست ہو جائے۔

کے رختے چھوٹے ستاروں کی روشنی کو مہتاب نے کیوں مانند کر دیا اور مہتاب کے رخ روشن کو آفتاب کے نور نے کس لیے بے نور بنادیا چنانچہ آپ نے کہا۔

”پس اے قوم میں ان مشرکانہ عقائد سے بری ہوں اور شرک کی زندگی سے بے زار، بلاشبہ میں نے اپنا رخ صرف اسی ایک خدا کی جانب کر لیا ہے جو آسمانوں اور زمینوں کا خالق ہے میں حنیف ہوں مشرک نہیں ہوں۔

چنانچہ نبوت عطا ہونے کے بعد حضرت ابراہیم دیکھ رہے تھے کہ شرک کا سب سے بڑا مرکز خودا ن کے لیے اپنے گھر میں قائم ہے اور ان کے باپ آزر

گریمانہ کے ساتھ جواب دیتے ہوئے فرمایا۔ ”اے میرے باپ اگر میری بات کا یہی جواب ہے تو آج سے تجھے میرا سلام ہے میں خدا کے سچے دین اور اس کے پیغام حق کو نہیں چھوڑ سکتا اور کسی حال بتوں کی پرستش نہیں کر سکتا میں آج سے تم سے جدا ہوتا ہوں مگر غائبانہ تیرے لیے بارگاہ الہی میں بخشش طلب کرتا رہوں تاکہ تجھ کو ہدایت نصیب ہو اور تو خدا کے عذاب سے نجات پائے۔“

باپ اور میٹے کے درمیان جب اتفاق کی صورت نہ بُنی اور آزر نے کسی طرح ابراہیم کی رشد و ہدایت کو قبول نہ کیا تو حضرت ابراہیم نے آزر سے جدائی اختیار کر لی اور اپنی دعوت حق اور پیغام رسالت کو وسیع کر دیا اور اب صرف آزر ہی مخاطب نہ رہا بلکہ پوری قوم کو مخاطب بنالیا مگر قوم اپنے باپ دادا کے ذین کو کب چھوڑ نے والی تھی اس نے حضرت ابراہیم کی ایک نہ سُنی اور دعوت حق کے سامنے اپنے باطل معبودوں کی طرح گونگئے، بہرے اور انہے بن گئے۔

ان کے کان موجود تھے مگر حق کی آواز کے لیے بہرے تھے، پتلیاں آنکھوں کے حلقوں میں زندہ انسان کی آنکھوں کی طرح حرکت ضرور کی تھیں مگر حق کی بصارت سے محروم تھیں، زبان گویا ضرور تھی لیکن کلمہ حق کے اعتبار سے گنگ تھی، اس بناء پر خدا نے فرمایا:

”ان کے دل ہیں پر سمجھتے نہیں، ان کی آنکھیں ہیں پر دیکھتے نہیں، ان کے کان ہیں پر ان سے سنتے نہیں، یہ چوپا یوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ بے راہ ہیں، یہی ہیں جو غفلت میں سرشار ہیں۔“

جب حضرت ابراہیم نے زیادہ زور دے کر پوچھا یہ تو بتاؤ کہ جن کی تم

کی بُت سازی اور بُت پُرستی پوری قوم کے لیے مرجع اور محور بُنی ہوئی ہے اس لیے فطرت کا تقاضا تھا کہ دعوت حق اور پیغام صداقت کے اداء فرض کی ابتداء گھر سے ہوئی چاہیے اس لیے حضرت ابراہیم نے سب سے پہلے اپنے باپ آزر کو مخاطب کیا اور فرمایا۔

”اے میرے باپ خدا پُرستی اور معرفت الہی کے لیے جو راستہ تم نے اختیار کیا ہے اور جس کو آباداً جداد کا قدیم راستہ بتلایا ہے یہ گمراہی اور باطل پُرستی کی راہ ہے اور صراط مستقیم اور راہ حق صرف وہی ہے جس کی دعوت میں دے رہا ہوں اے میرے باپ تو حیدری سرچشمہ نجات ہے نہ کہ تیرے ہاتھ کے بنائے ہوئے ان بتوں کی پرستش اور عبادات اس راہ کو چھوڑ اور تو حیدر حق کی راہ کو مضبوطی کے ساتھ اختیار کرتا کہ تجھ کو خدا کی رضا اور دنیا و آخرت کی سعادت حاصل ہو۔“

مگر افسوس کہ آزر پر حضرت ابراہیم کی اس نصیحت کا مطلق کوئی اثر نہ ہوا بلکہ قبول حق کے بجائے آزر نے میٹے کو دھمکانا شروع کیا اور کہنے لگا۔ ”ابراہیم اگر تو بتوں کی برائی سے بازنہ آئے گا تو میں تجھ کو سنگ سار کر دوں گا۔“

حضرت ابراہیم نے جب یہ دیکھا کہ معاملہ اب حد سے آگے بڑھ گیا ہے اور ایک جانب اگر باپ کے احترام کا مسئلہ ہے تو دوسری جانب اداء فرض حمایت حق اطاعت امر الہی کا سوال ہے تو انہوں نے آخر وہی کیا جو ایسے برگزیدہ انسان اور اللہ کے جلیل المرتب پیغمبر کے شایان شان تھا انہوں نے باپ کی سختی کا جواب سختی سے نہیں دیا۔ تحقیق و تذلیل کارو بیہیں برتا بلکہ نرمی، ملائمت اور اخلاق

پرستش کرتے ہو یہ تم کو کسی قسم کا بھی نفع و نقصان پہنچاتے ہیں۔

تو کہنے لگے ان باتوں کے جھگڑے میں ہم پڑنا نہیں چاہتے ہم تو یہ جانتے ہیں کہ ہمارے باپ دادا یہی کرتے چلے آئے ہیں لہذا ہم بھی وہی کر رہے ہیں تب حضرت ابراہیم نے ایک خاص انداز سے خدائے واحد کی ہستی کی جانب توجہ دلائی فرمائے لگے۔“

”میں تو تمہارے سب بتوں کو اپنادشمن جانتا ہوں یعنی میں ان سے بے خوف اور بے خطر ہو کر اعلان جنگ کرتا ہوں اگر یہ میرا کچھ بگاڑ سکتے ہیں تو اپنی حسرت نکال لیں۔“

”البتہ میں صرف اس ہستی کو اپناماں کے سمجھتا ہوں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے جس نے مجھ کو پیدا کیا اور راست دکھائی۔ جو مجھ کو کھلاتا پلاتا یعنی رزق دیتا ہے جب میں مریض ہو جاتا ہوں تو وہ مجھ کو شفا بخشتا ہے اور میری زیست اور موت دونوں کا مالک ہے اور اپنی خطا کاری کے وقت جس سے یہ امید کرتا ہوں کہ وہ قیامت کے دن مجھ کو بخش دے۔

اور میں اس کے حضور میں یہ دعا کرتا ہوں اے میرے پروردگار تو مجھ کو صحیح فیصلہ کرنے کی قوت عطا کرو جس کو نیک لوگوں کی فہرست میں داخل کرو اور مجھ کو زبان کی سچائی عطا کرو جنت نعیم کے دارثوں میں شامل کرو۔“

اب حضرت ابراہیم کی قوم سمجھی کہ یہ کیا ہو رہا ہے ابراہیم نے ہمارے تمام ہتھیار بے کار اور ہمارے تمام دلائل پامال کر دیئے ہیں اب ہم ابراہیم کی اس مضبوط اور محکم برہان کا کس طرح رد کریں اور اس کی روشن دلیل کا کیا جواب

دیں وہ اس کے لیے بالکل عاجز اور درمان نہ تھے اور جب کوئی بس نہ چلا تو قاتل ہونے اور صداقت حق کو قبول کرنے کے بجائے ابراہیم سے جھگڑنے اور اپنے معبدوں ان باطل سے ڈرانے لگے کہ وہ اپنی توہین کا تجھ سے ضرور انتقام لیں گے اور تجھ کو اس کا خمیازہ بھگلتا پڑے گا۔

جواب میں حضرت ابراہیم نے فرمایا۔ ”کیا تم مجھ سے جھگڑتے ہو اور اپنے بتوں سے مجھ کو ڈراتے ہو حالانکہ خدا تعالیٰ نے مجھ کو صحیح راہ دکھائی ہے اور تمہارے پاس گمراہی کے سوا کچھ نہیں مجھے تمہارے بتوں کی کوئی پرواہ نہیں جو میرا رب چاہے گا وہی ہو گا۔

تمہارے بت کچھ بھی نہیں کر سکتے کیا تم کو ان باتوں سے نصیحت نہیں ہوتی تم کو خدا کی نافرمانی کرنے اور اس کے ساتھ بتوں کو شریک ٹھہرانے میں خوف نہیں آتا جس کے لیے تمہارے پاس ایک دلیل بھی نہیں ہے اور مجھ سے یہ موقع رکھتے ہو کہ خدائے واحد کا ماننے والا اور امن عالم کا ذمہ دار ہو کر میں تمہارے بتوں سے ڈرجاؤں گا کاش کر تم سمجھتے کہ کون مفسد ہے اور کون مصلح اور امن پسند۔

صحیح عمل کی زندگی اسی شخص کو حاصل ہے جو خدائے واحد پر ایمان رکھتا ہے اور شرک سے بیزار رہتا ہے اور وہی خلقِ مالک ہے۔“

بہر حال اللہ تعالیٰ کی وہ عظیم الشان جھت تھی جو حضرت ابراہیم کی زبان سے بت پرستی کے خلاف ہدایت اور تبلیغ کو بعد کو اکب پرستی کی رو میں ظاہر فرمائی اور ان کی قوم کے مقابلے میں ان کو روشن دلائل اور براہین کے ساتھ سر بلندی عطا فرمائی۔

سرداروں نے جو کچھ کہا تھا وہ بالکل غلط اور بے سرو پا اور بے بنیاد باتیں تھیں۔ اور ساتھ ہی وہ یہ بھی چاہتے تھے کہ لوگوں پر یہ بھی ثابت ہو جائے کہ جو کچھ دہ خدا کا پیغام سنارہے ہیں سچی بات وہی ہے اور اگر ایسی کوئی صورت بن آئی تو پھر میرے لیے تبلیغ حق کے لیے آسان راہ نکل گئے گی یہ سوچ کر انہوں نے ایک نظام عمل تیار کیا جس کو کسی پر ظاہر نہیں ہونے دیا اور اس کی ابتداء اس طرح کی کہ باتوں باتوں میں اپنی قوم کے افراد سے یہ کہہ دیا۔

”میں تمہارے بتوں کے ساتھ ایک خفیہ چال چلوں گا۔“

گویا اس طرح ان کو متنبہ کرنا تھا کہ اگر تمہارے دیوتاؤں میں کوئی قدرت ہے جیسا کہ تم دعویٰ کرتے ہو تو وہ میری چال کو باطل اور غلط کر دیں کہ میں ایسا نہ کرسکوں۔

مگر کیونکہ بات صاف نہ تھی اس لیے قوم نے اس جانب کوئی توجہ نہ کی۔ حسن اتفاق کہ بہت جلد اس قوم کا ایک مذہبی میلہ پیش آ گیا جب سب اس کے لیے چلنے لگے تو کچھ لوگوں نے ابراہیم سے بھی اصرار کیا کہ وہ بھی ساتھ چلیں حضرت ابراہیم نے اول انکار کیا اور جب اس جانب سے اصرار بڑھنے لگا تو ستاروں کی جانب نگاہ اٹھائی اور فرمانے لگے۔

”میں آج کچھ علیل سا ہوں۔“

چونکہ حضرت ابراہیم کی قوم کو کہا کب پرستی کی وجہ سے نجوم میں کمال اور اعتقاد بھی تھا اس لیے اپنے عقیدے کے لحاظ سے وہ یہ سمجھے کہ ابراہیم نہ سترہ کے اثر بد میں جتنا ہیں اور بغیر کسی تحقیق حال کے حضرت ابراہیم کو چھوڑ کر میلے

حضرت ابراہیم نے اپنے باپ آزر اور اپنی قوم کے جمہور کو ہر طرح سے بت پرستی کے مصائب ظاہر کر کے انہیں اس سے باز رکھنے کی سعی اور کوشش کی اور ہر قسم کے پند ولنصائح کے ذریعے ان کو یہ باور کرانے میں اپنی ساری قوت صرف کر دی کہ یہ بت نہ تھیں کوئی نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان اور یہ کہ تمہارے کا ہنوں اور پیشواؤں نے ان بتوں کے متعلق تمہارے دل میں یہ غلط خوف بٹھا دیا ہے کہ ان کے مفکر ہو جاؤ گے تو وہ غصب ناک ہو کر تم کو تباہ کر دا لیں گے۔

آپ اپنی قوم سے فرماتے ہیں کہ یہ اپنے اوپر آئی ہوئی مصیبت کو بھی نہیں مٹال سکتے مگر آپ کے باپ آزر اور قوم کے دلوں پر مطلق اثر نہ ہوا اور وہ اپنے دیوتاؤں کی خدائی قوت کے عقیدے سے کسی طرح بازنہ آتے تھے بلکہ کا ہنوں اور سرداروں نے ان کو زیادہ پختہ کر دیا اور ابراہیم کی نصیحت پر کان دھرنے سے سختی کے ساتھ روک دیا۔

تب حضرت ابراہیم نے سوچا ان کو رسہ دہدایت کا ایسا پہلو اختیار کرنا چاہیے جس سے لوگوں کو یہ مشاہدہ ہو جائے کہ واقعی ہمارے دیوتا صرف لکڑیوں اور پتھروں کی مورتیاں ہیں جو گونگی بھی ہیں اور بھری بھی ہیں اور انہی بھی اور دلوں میں یہ یقین واضح ہو جائے کہ اب تک ان کے متعلق ہمارے کا ہنوں اور

جب لوگ میلے سے واپس آئے تو ہیکل میں بتوں کا یہ حال پایا تو سخت براہم ہوئے اور ایک دوسرے سے دریافت کرنے لگے یہ کیا ہوا اور کس نے کیا ان میں سے وہ بھی تھے جن کے سامنے حضرت ابراہیم نے ایک بار کہا تھا کہ ”میں تمہارے بتوں کے ساتھ ایک خفیہ چال چلوں گا۔“

انہوں نے فوراً کہا کہ یہ اس شخص کا کام ہے جس کا نام ابراہیم ہے وہی ہمارے دیوتاؤں کا دشمن ہے۔  
اس واقعہ کو بھی قرآن مجید نے اس طرح بیان کیا۔

”وہ کہنے لگے یہ معاملہ ہمارے خداوں کے ساتھ کس نے کیا ہے بلاشبہ وہ ضرور ظالم ہے ان میں سے بعض کہنے لگے ہم نے ایک جوان کی زبان سے ان بتوں کا برائی کے ساتھ ذکر کرنا ہے اس کو ابراہیم کہا جاتا ہے یعنی یہ کام اسی کا ہے۔“

چنانچہ کاہنوں اور سرداروں نے جب یہ سنا تو غصے سے مرخ ہو گئے اور کہنے لگے۔

”اس کو مجھ کے سامنے پکڑ کر لا دتا کہ سب دیکھیں کہ مجرم کون ہے۔“  
چنانچہ حضرت ابراہیم سامنے لائے گئے تو بڑے رعب دار سے انداز میں انہوں پوچھا۔ ”ابراہیم تو نے ہمارے دیوتاؤں کے ساتھ یہ کیا کیا۔“ اس موقع پر قرآن مجید نے اس واقعہ کو اس طرح بیان کیا۔

”انہوں نے کہا ابراہیم کو لوگوں کے سامنے لا دتا کہ وہ دیکھیں وہ کہنے لگے اے ابراہیم تو نے ہمارے دیوتاؤں کے ساتھ یہ کیا کیا ہے۔“

میں چلے گئے اس واقعے کو خدا نے یوں بیان فرمایا۔

”پس ابراہیم نے ایک نگاہ اٹھا کر ستاروں کی جانب دیکھا اور کہنے لگا میں کچھ علیل ہوں پس وہ اس کو چھوڑ کر چلے گئے۔“

اب جب کہ ساری قوم بادشاہ کا ہن اور مذہبی پیشوں میلے میں مصروف شراب و کباب میں مشغول تھے تو حضرت ابراہیم نے سوچا کہ وقت آگیا ہے کہ اپنے نظام عمل کی تکمیل کروں اور مشاہدے کی صورت میں لوگوں پر واضح کر دوں کہ ان کے دیوتاؤں کی حقیقت کیا ہے۔

پس وہ اٹھے اور سب سے بڑے دیوتا کے ہیکل یعنی مندر میں پہنچے دیکھا کہ وہاں دیوتاؤں کے سامنے قسم قسم کے حلووں، پھلوں، میواوں اور مٹھائیوں کے چڑھاوے رکھے تھے حضرت ابراہیم نے طنزیہ چکے چکے ان مورتیوں سے مخاطب ہو کے کہا۔

”یہ سب کچھ موجود ہے ان کو کھاتے کیوں نہیں ہو۔“ اور پھر کہنے لگے ”میں بات کر رہا ہوں کیا بات ہے تم جواب نہیں دیتے۔“ اور پھر ان سب کو توڑ پھوڑ ڈالا اور سب سے بڑے بت کے کاندھے پر ہتھوڑا کر کر واپس چلے گئے۔  
قرآن پاک نے اس واقعے کو اس طرح بیان فرمایا۔

”پس چکے سے جا گھسانا کے بتوں میں اور کہنے لگا ان کے دیوتاؤں سے کیوں نہیں کھاتے تم کو کیا ہو گیا ہے کیوں نہیں بولتے پھر اپنے دانہ نہیں ہاتھ سے ان سب کو توڑ ڈالیں کر دیا ان کو تکڑے تکڑے مگر ان میں بڑے دیوتا کو چھوڑ دیا تاکہ اپنے عقیدے کے مطابق وہ اس کی طرف رجوع کریں کہ یہ کیا ہو گیا۔“

شمع بک ایجنسی

بڑے سب ہی کو دل میں اقرار کرنا پڑا کہ ابراہیم ظالم ہمیں بلکہ ظالم ہم خود ہیں کہ ایسے بے دلیل اور باطل عقیدہ پر یقین رکھتے ہیں تب نہایت شرم ساری کے ساتھ سرنگوں ہو کر کہنے لگے۔

”ابراہیم تو خوب جانتا ہے ان دیوتاؤں میں بولنے کی سکت نہیں ہے یہ تو بے جان مورتیاں ہیں۔“

چنانچہ قرآن مجید نے بھی ابراہیم کے اس سوال کے جواب میں ذکر کیا اور فرمایا۔

”پس انہوں نے اپنے جی میں سوچا پھر کہنے لگے بے شک تم ہی ظالم ہو بعد ازاں اپنے سروں کو نیچے جھکا کر کہنے لگے اے ابراہیم تو خوب جانتا ہے کہ یہ بولنے والے نہیں ہیں۔“

اس طرح حضرت ابراہیم کی جدت اور دلیل کامیاب ہوئی اور دشمنوں نے اعتراف کر لیا کہ ظالم ہم ہی ہیں اور ان کو عام لوگوں کے سامنے زبان سے اقرار کرنا پڑا کہ ہمارے لیے دیوتا جواب دینے اور بولنے کی طاقت نہیں رکھتے چہ جائیکہ کہ نفع و نقصان کے مالک ہوں۔

اس موقع پر حضرت ابراہیم نے مختصر مگر جامع الفاظ میں ان کو نصیحت بھی کی اور ملامت بھی اور بتایا کہ ”جب یہ دیوتا نہ نفع پہنچا سکتے ہیں اور نقصان تو پھر یہ خدا اور معبد کیسے ہو سکتے ہیں افسوس تم اتنا بھی نہیں سمجھتے یا عقل سے نہیں کام لیتے۔“ چنانچہ بقول قرآن مجید فرمانے لگے۔

”کیا تم اللہ کو چھوڑ کر ان چیزوں کی پوجا کرتے ہو جو تم کو کچھ نفع نہیں پہنچا

شمع بک ایجنسی

حضرت ابراہیم علیہ السلام 40

حضرت ابراہیم نے دیکھا کہ اب بہترین موقع آگیا ہے جس کے لیے میں نے یہ تدبیر اختیار کی سب لوگ بھی یہاں موجود ہیں دیکھ رہے ہیں کہ ان کے دیوتاؤں کا کیا حشر ہو گیا اس لیے اب کا ہنوں اور مذہبی پیشواؤں کو عام لوگوں کی موجودگی میں ان کے باطل عقیدہ پر نادم کر دینے کا وقت ہے تاکہ عام لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ آج تک ان دیوتاؤں کے متعلق ہم سے کا ہنوں اور پچاریوں نے جو کہا تھا وہ سب ان کا مکروہ فریب تھا۔

مجھے ان سے کہنا چاہیے کہ یہ سب اس بڑے بت کی کارروائی ہے اس سے دریافت کر لاما حالہ وہ یہی جواب دیں گے کہ کہیں بت بھی بولتے ہیں اور بات کرتے ہیں تب میرا مطلب حاصل ہے اور میں ان کے عقیدے کا پول عام لوگوں کے سامنے کھول کر صحیح عقیدے کی تلقین کر سکوں گا اور بتاؤں گا کہ کس طرح وہ باطل اور گمراہی میں بنتا ہیں اس وقت ان کا ہنوں اور پچاریوں کے پاس ندامت کے سوا کیا ہو گا اس لیے جو جواب حضرت ابراہیم نے دیا اس کے لیے قرآن مجید نے فرمایا۔

”ابراہیم نے کہا بلکہ ان میں سے اس بڑے بت نے یہ کیا ہے پس اگر تمہارے دیوتا بولنے ہوں تو ان سے دریافت کرو۔“

حضرت ابراہیم کی اس تیغی جدت اور دلیل کا کا ہنوں اور پچاریوں کے پاس کیا جواب ہو سکتا تھا وہ ندامت میں غرق تھے دلوں میں ذلیل اور رسوا تھے اور سوچتے تھے کہ آخر اس کا کیا جواب دیں عام لوگ بھی سب کچھ سمجھ گئے اور انہوں نے اپنی آنکھوں سے وہ منظر دیکھ لیا جس کے لیے وہ تیار نہ تھے اور آخر چھوٹے

سکتے ہیں اور نہ نقصان دے سکتے ہیں تم پر افسوس ہے اور تمہارے معبود ان باطل پر بھی جن جن کو تم اللہ کے سوا پوچھتے ہو کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے۔“

حضرت ابراہیم کی اس نصیحت اور موعظت کا اثر یہ ہوتا چاہیے تھا کہ تمام قوم اپنے باطل عقیدے سے تائب ہو کر طتِ حنفی کو اختیار کر لیتی اور نجح روی چھوڑ کر راہِ مستقیم پر گامز نہ ہو جاتی لیکن دلوں کی بھی اور نفوس کی سرکشی متبردا نہ ڈھنیت اور باطنی خبائث اور حماقت نے اس جانب نہ آنے دیا اور اس کے برعکس ان سب نے حضرت ابراہیم کی عداوت اور دشمنی کا نعرہ بلند کر دیا اور ایک دوسرے سے کہنے لگے۔

”اگر دیوتاؤں کی خوشنودی چاہتے ہو تو اس کو اس گستاخی اور مجرمانہ حرکت پر سخت سزا دو اور دھکتی ہوئی آگ میں جلا ڈالوتا کہ اس کی تبلیغ اور دعوت کا قصہ ہی پاک ہو جائے۔“

ابھی یہ مشورے ہو ہی رہے تھے کہ آہستہ آہستہ بادشاہ وقت تک یہ باتیں پہنچ گئیں اس زمانے میں عراق کے بادشاہ کا لقب نمرود ہوتا تھا اور یہ رعایا کے صرف بادشاہ ہی نہیں ہوتے تھے بلکہ خود ان کو رب اور مالک جانتے تھے اور اس کی بھی اس طرح پرستش کی جاتی تھی جس طرح دیوتاؤں کی کرتے تھے بلکہ ان سے بھی زیادہ پاس وادب کے ساتھ پیش آتے تھے اس لیے کہ وہ صاحب عقل و شعور بھی ہوتا تھا اور مالکِ تخت و تاج بھی۔

چنانچہ نمرود کو جب معلوم ہوا کہ ابراہیم نے بتوں کے ساتھ یہ معاملہ کیا ہے تو آپ سے باہر ہو گیا اور سوچنے لگا کہ اس شخص کی پیغمبرانہ تبلیغ اور دعوت کی

سرگرمیاں اگر اسی طرح جاری رہیں تو یہ میری ربو بیت، طوکیت اور الواہیت سے بھی سب رعایا کو مخرف اور برگشتہ کر دے گا اور اس طرح باپ دادا کے مذہب کے ساتھ ساتھ میری یہ سلطنت بھی زوال میں آجائے گی۔

اس بناء پر اس نے سوچا بہتر یہی ہے کہ اس قصے کا ابتداء ہی میں خاتمه کر دینا چاہیے یہ سوچ کراس نے حکم دیا کہ ابراہیم کو ہمارے دربار میں پیش کرو چنانچہ نمرود کے حواری اور اس کے آدمی حرکت میں آئے اور حضرت ابراہیم کو لے کر نمرود کے دربار میں پہنچے تو نمرود نے گفتگو شروع کی اور حضرت ابراہیم سے دریافت کیا کہ ”تو ہمارے باپ دادا کے دین کی مخالفت کس لیے کرتا ہے اور مجھ کو رب ماننے سے تجھے کیوں انکار ہے؟“

حضرت ابراہیم نے فرمایا۔ ”میں خدائے واحد کا پرستار ہوں اس کے علاوہ کسی کو اس کا شریک نہیں مانتا ساری کائنات اور تمام عالم اسی کی مخلوق ہے اور وہی ان سب کا خالق اور مالک ہے تو بھی اسی طرح ایک انسان ہے جس طرح ہم سب انسان ہیں پھر تو کس طرح رب یا خدا ہو سکتا ہے اور کس طرح یہ کوئی بھرے لکڑی کے بت خدا ہو سکتے ہیں میں صحیح راہ پر ہوں اور تم سب غلط راہ پر ہو اس لیے میں تبلیغ حق کو کس طرح چھوڑ سکتا ہوں اور تمہارے باپ دادا کے خود ساختہ دین کو کیسے اختیار کر سکتا ہوں۔“

نمرود نے حضرت ابراہیم سے دریافت کیا۔ ”اگر میرے علاوہ تیرا کوئی رب ہے تو اس کا ایسا وصف بیان کر کے جس کی قدرت مجھ میں نہ ہو۔“

تب حضرت ابراہیم نے فرمایا۔ ”میرا رب وہ ہے جس کے قبٹے میں موت و

نمرود سربراہ سلطنت نہ ہوتا بلکہ اس کے خاندان کا پہلا شخص ہی آج بھی اس میں دنخست کا مالک نظر آتا مگر نامعلوم کہ عراق کی سلطنت کے کتنے مدعا زیر میں دن ہو چکے تھے اور ابھی کتنوں کی باری باقی تھی۔

تاہم حضرت ابراہیم نے سوچا کہ اگر میں نے اس موقع پر موت و حیات کے دین قلیل فلسفہ پر بحث شروع کر دی تو نمرود کا مقصد پورا ہو جائے گا اور وہ عام لوگوں کو مغالطہ میں ڈال کر اصل معاملے کو الجہاد سے گا اس طرح میرا نیک مقصد پورا نہ ہو سکے گا اور تبلیغ حق کے سلسلے میں سرخف نمرود کو لا جواب کرنے کا موقع ہاتھ سے جاتا رہے گا۔

چنانچہ یہ فیصلہ کرنے کے بعد حضرت ابراہیم نے فرمایا۔ ”میں اس ہستی کو اللہ کہتا ہوں جو روزانہ سورج کو مشرق سے لاتا اور مغرب کی جانب لے جاتا ہے پس اگر تو بھی اسی طرح خدائی کا دعویٰ کرتا ہے تو اس کے خلاف سورج کو مغرب سے نکال اور مشرق میں غروب کر۔“

یہ سن کر نمرود مبہوت اور لا جواب ہو کر رہ گیا اور اس طرح حضرت ابراہیم کی زبان سے نمرود پر خدا کی جدت پوری ہوئی۔

نمرود اس دلیل سے مبہوت کیوں ہوا اور اس کے پاس اس کے مقابلے میں مغالطہ کی گنجائش کیوں نہ رہی اس لئے ابراہیم کی دلیل کا حاصل یہ تھا کہ میں ایک ایسی ہستی کو اللہ مانتا ہوں جس کے متعلق میرا یہ عقیدہ ہے کہ ساری کائنات اور اس کا سارا نظام اسی نے بنایا ہے اور اس نے اس پورے نظام کو اپنی حکمت کے قانون سے ایسا سخر کر دیا ہے کہ اس کی کوئی شے وقت مقررہ سے پہلے اپنی جگہ

حیات ہے وہی موت دیتا ہے اور وہی زندگی بخشتا ہے۔“  
کچھ فہم نمرود موت و حیات کی حقیقت سے نا آشنا کہنے لگا۔

”اس طرح موت و حیات میرے قبضے میں بھی ہے۔“ اور یہ کہ اسی وقت ایک بے قصور شخص کے متعلق جلاド کو حکم دیا کہ اس کی گردن ماردو اور موت کے گھاث اتار دو۔

جلاد نے فوراً حکم کی تعییل کر دی اور ایک قتل کے سزا یافتہ مجرم کو زندان سے بلا کر حکم دیا جاؤ ہم نے تمہاری جان بخشی کی اور پھر ابراہیم کی جانب متوجہ ہو کر کہنے لگا۔

”ویکھا میں کس طرح زندگی بخشا ہوں اور موت دیتا ہوں پھر تیرے خدا کی خصوصیت کیا رہی۔“

حضرت ابراہیم سمجھ گئے یا تو نمرود حیات اور موت کی اصل حقیقت سے نا آشنا ہے اور یا جہور اور رعایا کو مغالطہ دینا چاہتا ہے تاکہ وہ اس فرق کو سمجھ سکیں کہ زندگی بخشا اس کا نام نہیں ہے بلکہ نیست و نابود کرنے کا نام زندگی بخشا ہے اور اس طرح کسی کو قتل یا پھانسی سے بچالینا موت کا مالک ہونا نہیں ہے موت کا مالک وہی ہے جو روح انسانی کو اس کے جسم سے نکال کر اپنے قبضے میں کر لیتا ہے۔

اسی لیے بہت سے دادرسیدہ اور شمشیر زدہ انسان زندگی پاجاتے ہیں اور بہت سے قتل سے بچائے ہوئے انسان لفڑہ اجل بن جاتے ہیں اور کوئی طاقت ان کو روک نہیں سکتی اگر ہو سکتا ہے تو اسے حضرت ابراہیم سے گفتگو کرنے والا

قول کر لیتا اور مغرب سے نکال کر دکھا دیتا مگر نمرود کیونکہ ان تینوں صورتوں میں سے ہٹ سکتی ہے اور نہ ادھر ادھر ہو سکتی ہے۔

تم اس پورے نظام میں سے سورج ہی کو دیکھو کہ عالم ارضی میں کس قدر فائدے حاصل کرتا ہے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے اس کے طلوع اور غروب کا بھی ایک نظام مقرر کر دیا ہے پس اگر سورج لا کھ بار بھی چاہے کہ وہ اس نظام سے باہر ہو جائے تو وہ اس پر قادر نہیں کیونکہ اس کی بائگ خدائے واحد کے قبضہ قدرت میں ہے اور اس کو بے شک یہ قدرت ہے جو چاہے کر گز رے لیکن وہ کرتا وہی ہے جو اس کی حکمت کا تقاضا ہے لہذا اب نمرود کے لئے تین ہی صورتیں جواب دینے کی ہو سکتی تھیں یادہ یہ کہے کہ مجھے آفتاب پر پوری قدرت حاصل ہے اس لئے نہیں کہا کہ وہ خود اس کا قاتل نہیں تھا کہ یہ ساری کائنات اس نے بنائی ہے اور آفتاب کی حرکت اس کے قبضہ قدرت میں ہے بلکہ وہ تو خود کو اپنی رعایا کا رب اور دیوتا کہلاتا تھا اور بس۔

دوسری صورت یہ تھی کہ وہ کہتا میں عالم کو کسی کی مخلوق نہیں مانتا اور سورج خود مستقل دیوتا ہے اس کے اختیارات میں خود بہت کچھ ہے مگر اس نے یہ بھی اس لئے نہ کہا کہ اگر وہ ایسا کہتا تو ابراہیم کا وہی اعتراض سامنے آ جاتا جو انہوں نے عام لوگوں کے سامنے سورج کی رو بیت کے خلاف لگایا تھا کہ اگر یہ رب ہے تو عابدوں اور بچاریوں سے زیادہ اس معبد اور دیوتا میں تغیرات اور فنا کے اثرات کیوں موجود ہیں رب کوفنا اور تغیر سے کیا علاقہ اور کیا اس کی قدرت میں یہ ہے کہ اگر وہ چاہے تو وقت مقررہ سے پہلے یا بعد طلوع یا غروب ہو جائے۔

تیسرا صورت یہ تھی کہ حضرت ابراہیم کی اس جنت اور آپ کے اس چیلنج کو

کہ کائنات کا یہ سارا نظام اگرچہ خاص قوانین کے شکنخ میں جھکڑا ہوا ہے لیکن اس کے کسی صورت میں سے سورج ہی کو دیکھو کہ عالم ارضی میں کس قدر فائدے حاصل کرتا ہے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے اس کے طلوع اور غروب کا بھی ایک نظام مقرر کر دیا ہے پس اگر سورج لا کھ بار بھی چاہے کہ وہ اس نظام سے باہر ہو جائے تو وہ اس پر قادر نہیں کیونکہ اس کی بائگ خدائے واحد کے قبضہ قدرت میں ہے اور اس کو بے شک یہ قدرت ہے جو چاہے کر گز رے لیکن وہ کرتا وہی ہے جو اس کی حکمت کا تقاضا ہے لہذا اب نمرود کے لئے تین ہی صورتیں جواب دینے کی ہو سکتی تھیں یادہ یہ کہے کہ مجھے آفتاب پر پوری قدرت حاصل ہے اس لئے نہیں کہا کہ وہ خود اس کا قاتل نہیں تھا کہ یہ ساری کائنات اس نے بنائی ہے اور آفتاب کی حرکت اس کے قبضہ قدرت میں ہے بلکہ وہ تو خود کو اپنی رعایا کا رب اور دیوتا کہلاتا تھا اور بس۔

49 حضرت ابراہیم کی مخلوق ہے اور وجود اور عدم وجود کی قید و بند میں گرفتار نہیں کیونکہ دنیا اس کی مخلوق ہے اور باوجود بادشاہ حضرت ابراہیم کا باپ آزر اور عام لوگ حضرت مگر اس کے باوجود بادشاہ حضرت ابراہیم کا باپ آزر اور عام لوگ حضرت ابراہیم کے دلائل سے لا جواب تھے اور لوں میں قائل بھی تھے بلکہ بتوں کے واقعہ میں تو زبان سے بھی اقرار کرنا پڑا کہ ابراہیم جو کچھ کہتا ہے وہی حق ہے اور صحیح اور درست۔ تاہم ان میں سے کسی نے راہ مستقیم کو اختیار نہ کیا اور قبول حق سے منحرف ہی رہے۔

اسناہی نہیں بلکہ اس کے برعکس اپنی ندامت اور ذلت سے متاثر ہو کر بہت زیادہ غیض و غصب میں آگئے اور بادشاہ سے لے کر رعایا تک سب نے متفقہ فیصلہ کر لیا کہ دیوتاؤں کی توہین اور باپ دادا کے دین کی مخالفت میں حضرت ابراہیم کو دھکتی آگ میں جلا دینا چاہیے ایسے سخت مجرم کی سزا یہی ہو سکتی ہے اور دیوتاؤں کی رسوانی کا انتقام اسی طرح لیا جا سکتا ہے۔

شمع بک ایجنسی  
کا یہ شکنجہ ان اشیاء کے ذاتی خواص کی بناء پر نہیں ہے بلکہ اس شکنجے میں کرنے والی ہستی اور ہے جو سب سے بالاتر ہے اور تمام اشیاء کی تاثیر اس کے خواص اس کے قبضہ قدرت میں ہیں ہیں الہذا وہ چاہے تو ان کے خواص اور تاثیرات کو بدل بھی سکتا ہے اور فنا بھی کر سکتا ہے اور اسی قادر مطلق اور مالک و خالق کا نام اللہ ہے۔  
نمرود کے اس واقعہ کو قرآن مجید نے اُسی طرح بیان کیا ہے۔ ”کیا تو نہیں دیکھا اس شخص کا واقعہ جس کو اللہ نے بادشاہت بخشی تھی اس نے کس طرح ابراہیم سے اس کے پروڈگار کے بارے میں مناظرہ کیا جب کہا ابراہیم نے میرا پروردگار تو زندگی بخشتا ہے موت دیتا ہے بادشاہ نے کہا میں بھی زندگی بخشتا ہوں اور موت دیتا ہوں ابراہیم نے کہا بلاشبہ اللہ سورج کو مشرق سے نکالتا ہے تو اس کو مغرب سے نکال کر دکھا لیں وہ کافر مبہوت اور لا جواب ہو کر رہ گیا اور اللہ ظلم کرنے والوں کو کامیاب نہیں کرتا۔“

غرض حضرت ابراہیم نے سب سے پہلے اپنے والد آزر کو اسلام کی تلقین کا پیغام حق سنایا اور راہ مستقیم دکھائی اس کے بعد عوام اور عام لوگوں کے سامنے اس دعوت کو عام کیا اور سب کو امر حق تسلیم کرانے کے لئے فطرت کے بہترین اصول اور دلائل کو پیش فرمایا نہیں اور شیریں کلامی مگر مضبوط محکم اور دوشن جحت اور دلیل کے ساتھ ان پر حق کو واضح کیا اور سب سے آخر میں بادشاہ نمرود سے مناظرہ کیا اور اس پر روشن کر دیا کہ ربوبیت والوہیت کا حق صرف خداۓ واحد کے لئے ہی سزاوار ہے اور بڑے سے بڑا شہنشاہ بھی یہ حق نہیں رکھتا کہ وہ اس کی ہم عصری کا دعویٰ کرے۔

چنانچہ خدا نے اپنے جلیل القدر پیغمبر قوم کے عظیم المرتبت ہادی اور راہنماء کو بنیارو مددگار نہ رہنے دیا اور دشمن کے تمام منصوبے کو خاک میں ملا دیا۔

ہوا یہ کہ نمرود اور قوم نے حضرت ابراہیم کی سزا کے لئے ایک مخصوص جگہ بنائی اور اس میں کئی روز مسلسل آگ دہکائی گئی حتیٰ کہ اس کے شعلوں سے قرب و جوار کی اشیاء تک جھلنے لگی جب اس طرح بادشاہ اور قوم کو کامل اطمینان ہو گیا کہ اب ابراہیم کے اس سے بچ نکلنے کی کوئی صورت باقی نہ رہی تب ایک گوچھن میں ابراہیم کو بٹھا کر دکھتی ہوئی آگ میں پھینک دیا۔

اس وقت آگ میں جلانے کی تاثیر بخشنے والے اللہ نے آگ کو حکم دیا کہ وہ ابراہیم پر اپنی سوزش کا اثر نہ کرے اور ناری عناصر کا مجموعہ ہوتے بھی اس کے حق میں سلامتی کے ساتھ سرد ہو جائے آگ اسی وقت حضرت ابراہیم کے لئے سلامتی والی بن گئی اور دشمن ان کو کسی قسم کا نقصان نہ پہنچا سکے حضرت ابراہیم دکھتی آگ سے سالم محفوظ دشمن کے زخم سے نکل گئے۔

انبیاء کی نبوت کے ثبوت میں جو محجزات حق تعالیٰ ظاہر فرماتے ہیں ان سب کا حاصل یہی ہوتا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کے لیے جلائی آگ کو حکم دیا کہ ٹھنڈی ہو جاوہ ٹھنڈی ہو گئی اور اگر بردن کے ساتھ جانے والی آگ کو حکم دیا کہ ٹھنڈی ہو جاوہ ٹھنڈی ہو کر سب عذاب بھی بن سکتی تمام مادی سہارے ختم، دنیاوی اسباب ناپید اور حمایت اور نفرت کے ظاہری اسباب مفقود ہو چکے تھے حضرت ابراہیم کو اس وقت بھی ایک ایسا زبردست سہارا حاصل تھا جو تمام سہاروں کا سہارا اور تمام نصرتوں کا ناصر کہا جاتا ہے اور وہ یعنی وہ قوم پانی میں غرق ہو کر آگ میں داخل ہو گئی۔

بہر حال حضرت ابراہیم کے لیے جو آگ جلائی گئی اس کے متعلق تاریخی

نمرود نے اپنی قوم کے فیصلے پر عمل درآمد کرنے کا فیصلہ کر لیا ان حالات میں حضرت ابراہیم کی جدوجہد کا معاملہ ختم ہو گیا اور اب دلائل اور براہین کی قوت کے مقابلے میں مادی طاقت اور سقوط نے مظاہرہ شروع کر دیا تھا باپ ان کا دشمن تھا عام لوگ ان کے مخالف تھے بادشاہ وقت آپ کے درپے آزار تھا ایک ہستی اور چاروں جانب سے مخالفت کی آوازیں اٹھنے لگی تھیں دشمنی کے نعرے، نفرت اور حقارت کے ساتھ سخت انتقام اور خوفناک سزا کے ارادے ظاہر کرنے لگے تھے ایسے وقت میں اس کی مدد و کون کرے اور اس کی حمایت کا سامان کس طرح مہیا ہو۔

مگر حضرت ابراہیم کو نہ اس کی پرواہی اور نہ ان کا خوف وہ اسی طرح ہے خوف و خطر اور ملامت کرنے والوں کی ملامت سے بے نیاز اعلانِ حق میں سرشار اور دعوت رشد و ہدایت میں مشغول رہے البتہ ایسے نازک وقت میں جب تمام مادی سہارے ختم، دنیاوی اسباب ناپید اور حمایت اور نفرت کے ظاہری اسباب مفقود ہو چکے تھے حضرت ابراہیم کو اس وقت بھی ایک ایسا زبردست سہارا حاصل تھا جو تمام سہاروں کا سہارا اور تمام نصرتوں کا ناصر کہا جاتا ہے اور وہ خدا نے واحد کا سہارا تھا۔

کرتے تھے کہ ”مجھے عمر میں کبھی ایسی راحت نہیں ملی جتنی ان سات دنوں میں جب میں آگ کے اندر رہا۔“

وہ لوگ جو اس واقعے کو تسلیم نہیں کرتے ان کے لیے مفسرین لکھتے ہیں کہ آج سائنس کی دریافت پر فضا میں ایسی گیسمیں موجود ہیں جن کے بدن پر اثر کرنے سے آگ کی سوزش سے محفوظ رہا جاسکتا ہے تو گیسموں کے پیدا کرنے والے خالق کے لیے کون سا امر مانع ہے کہ نمرود کی دلکشی آگ میں ان کو ابراہیم تک نہ پہنچا دے اور اس طرح آگ کو حضرت ابراہیم کے لیے سلامتی والا بنادے اسی طرح کا ایک اور معجزہ حضرت ابراہیم کی ذات سے وابستہ ہے کہ جب حضرت ابراہیم نے خدا سے درخواست کی کہ مجھے اس کا مشاہدہ کرو تو یہ کہ آپ مردوں کو کس طرح زندہ کریں گے چنانچہ جواب میں خدا نے فرمایا کہ اس درخواست کی کیا وجہ ہے کیا آپ کو ہماری قدرت کاملہ پر یقین نہیں کہ وہ ہر چیز پر حاوی ہے۔

جواب میں حضرت ابراہیم نے عرض کیا کہ یقین کیسے نہ ہوتا اللہ تیری قدرت کاملہ کے مظاہر ہر لمحہ ہر آن مشاہدہ میں آتے رہتے ہیں اور غور و فکر کرنے والے کے لیے خود اس کی ذات میں اوز کائنات کے ذرہ ذرہ میں اس کا مشاہدہ ہوتا ہے لیکن انسانی فطرت ہے کہ جس کا مشاہدہ نہ ہو خواہ وہ کتنا ہی یقینی ہواں میں سے اس کے خیالات منتشر رہتے ہیں کہ یہ کیسے اور کس طرح ہو گا یہ وہنی انتشار سکون قلب اور اطمینان میں خلل انداز ہوتا ہے اس لیے یہ مشاہدہ کی درخواست کی گئی کہ احیاء مرگ کی مختلف صورتوں اور کیفیتوں میں ہی انتشار

روایات یہ بھی ہیں کہ ایک مہینہ تک سارے شہر کے لوگ اس کام کے لیے لکڑی وغیرہ جمع کرتے رہے پھر اس میں آگ لگا کر ساتھ دن اس کو بھڑکاتے رہے یہاں تک اس کے شعلے آسمان پر اتنے اونچے ہو گئے کہ اگر کوئی پرندہ اس پر سے گزرے تو جل جائے اس وقت ارادہ کیا کہ حضرت ابراہیم کو اس میں ڈالا جائے تو فکر ہوئی کہ ڈالیں کیسے اس کے پاس تک جانا کسی کے بس میں نہ تھا کہتے ہیں شیطان اس موقع پر کام آیا اور اس نے گوپھن میں رکھ کر پھینکنے کی ترکیب بتائی جس وقت اللہ کے پیغمبر ابراہیم گوپھن کے ذریعے اس آگ کے سمندر میں پھینکنے جا رہے تھے تو مفسرین لکھتے ہیں سب سے پہلے سارے فرشتے زمین و آسمان کی مخلوق چیخ اٹھے کہ ”یا رب آپ کے خلیل پر کیا گزر رہی ہے۔“

خدا نے ان سب کو ابراہیم کی مدد کرنے کی اجازت دے دی فرشتوں نے مدد کرنے کے لیے حضرت ابراہیم سے دریافت کیا تو حضرت ابراہیم نے جواب دیا کہ ”مجھے اللہ ہی کافی ہے وہ میرا حال دیکھ رہا ہے۔“

مفسرین مزید لکھتے ہیں کہ اس موقع پر جبرائیل نے عرض کیا آپ کو میری کسی مدد کی ضرورت ہے تو میں خدمت انجام دوں جواب دیا کہ حاجت تو ہے مگر آپ کی طرف نہیں بلکہ اپنے رب کی طرف۔

بہر حال خدا کے حکم سے وہ آگ مٹھنڈی ہو گئی جس میں حضرت ابراہیم کو ڈالا گیا تھا آگ حضرت ابراہیم کے علاوہ آس پاس کی دوسری چیزوں کو جلا تی رہی بلکہ حضرت ابراہیم کے بدن مبارک پر کوئی آنچ نہیں آنے دی تاریخی روایات میں آیا ہے کہ حضرت ابراہیم اس آگ میں سات روز رہے اور وہ فرمایا

واقع نہ ہو قب کو سکون اور اطمینان حاصل ہو جائے۔

چنانچہ خدا نے ان کی درخواست قبول فرمائی کہ مشاہدے کی ایک ایسی عجب صورت تجویز فرمائی جس نے منکرین قیامت اور بعد میں زندہ ہونے کے تمام شہہات اور خدشات کے ازالہ کا مشاہدہ ہو جاتا ہے۔

وہ صورت یہ تھی کہ آپ کو حکم دیا کہ چار پرندے اپنے پاس جمع کر لیں پھر ان کو پاس رکھ کر خود سے ہلا لیں کہ وہ ایسے ہل جائیں کہ آپ کے بلا نے سے آ جایا کریں اور ان کی پوری شناخت بھی ہو جائے یہ شبہ نہ رہے کہ شاید کوئی دوسرا پرندہ آگیا ہے پھر ان چاروں کو ذبح کر کے ہڈیوں اور پروں سمیت ان کا گوشت قیمه کر کے ان کے کئی حصے کر دیں اور پھر اپنی تجویز سے مختلف پہاڑوں پر اس قیمے کا ایک ایک حصہ رکھ دیں پھر ان کو بلا نیں تو وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ سے زندہ ہو کر دوڑیں دوڑیں آپ کے پاس آ جائیں گے۔

چنانچہ حضرت ابراہیم نے ایسا ہی کیا پھر ان کو پکارتہ فور آہدی سے ہڈی، پر سے پر اور گوشت سے گوشت مل ملا کر سب اپنی اصل ہیئت میں زندہ ہو کر دوڑتے ہوئے حضرت ابراہیم کے پاس آگئے چنانچہ اس موقع پر خدا نے فرمایا۔

”اے ابراہیم قیامت کے روز اسی طرح سب اجزاء اور اجسام کو جمع کر کے ایک دم سے ان میں جان ڈال دوں گا۔“

اپنی قوم کو لگاتار تبلیغ کرنے کے باوجود قوم نے آپ کا پیغام سننے اور اسے اپنانے سے انکار کر دیا اور ساری جدوجہد کے نتیجے میں صرف داشخاص آپ پر ایمان لائے ایک آپ کی چیخازاد بہن سارہ اور دوسرے آپ کے بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام جب آپ نے دیکھا ارشہر میں ان کی تبلیغ پر کوئی دھیان نہیں دیتا خدا کے اس پیغام کو سننے اور اس پر عمل کرنے کے لیے کوئی تیار نہیں ہے تب آپ نے ارشہر سے ہجرت کرنے کا ارادہ کر لیا چنانچہ آپ نکلے آپ کا ساتھ اس وقت صرف حضرت سارہ اور حضرت لوط نے دیا اس وقت حضرت ابراہیم کی شادی ہے حضرت سارہ سے نہیں ہوئی تھی چونکہ حضرت ابراہیم اور حضرت لوط دونوں نے اپنی بھیڑ بکریوں کے روٹ پال رکھے تھے چنانچہ اپنے روٹوں کو لے کر وہ ارشہر سے نکلے اور حران شہر کا رخ کیا۔

اس شہر کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ شہر جہاں کے باشندوں کا مذہب بت پرستی تھا شمالی عراق میں چھوٹے سے دریائے جلاب پر واقع ہے جہاں اشیائے کو چک شام اور عراق کو جانے والے اہم کارروائی راستے ایک دوسرے کو قطع کرتے ہیں۔

آج کل یہ ترکی مقبوضات میں شامل ہے بقول یاقوتی عرفہ سے صرف ایک

نے اپنے عہد میں شہر کی جامع مسجد کی توسعہ کی کیونکہ اس کے عہد میں مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہو گئی تھی، ہجری 587 میں صلاح الدین نے حران اپنے بھائی ملک العادل کو پیش کر دیا جس نے قلعہ کواز سر نو تعمیر کروایا۔

عالم اسلام کے مشہور علم دین امام ابو تیمیہ یہیں پیدا ہوئے۔

مورخین اور مفسرین مزید لکھتے ہیں کہ اپنے آبائی شہر اسے نکل کر حضرت ابراہیم دریائے فرات کے مغربی کنارے کے قریب پہلے ایک بستی میں چلے گئے جو اور کلدافین کے نام سے مشہور تھی یہاں کچھ عرصہ قیام کیا حضرت لوٹ اور حضرت سارہ آپ کے ساتھ تھے اور کچھ دنوں بعد یہاں سے نکل کر آپ حران شہر کی طرف روانہ ہو گئے اور دین خنیف کی تبلیغ شروع کر دی یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضرت سارہ سے شادی آپ نے اسی شہر میں کی، ساتھ ہی اس عرصہ میں آپ برابر اپنے باپ آزر کے لیے بارگاہ الہی میں استغفار کرتے اور اس کی ہدایت کے لئے دعا مانگتے ہے اور یہ سب کچھ اس لئے کیا کہ وہ نہایت ریک القلب، رحیم اور بہت ہی نرم دل اور بر دبار تھے اس لیے آزر کی جانب سے ہر قسم کی عداوت کے اور آزاروں کے باوجود انہوں نے آزر سے یہ وعدہ کیا تھا کہ اگرچہ میں تجھ سے جدا ہو رہا ہوں اور افسوس کہ تو نے خدا کی رشد و ہدایت پر توجہ نہ دیتا ہم میں برابر تیرے حق میں خدا سے مغفرت کی دعا کرتا رہوں گا۔

آخر حضرت ابراہیم کو وحی الہی نے مطلع کیا کہ آزر ایمان لانے والا نہیں ہے اور یہ انہیں اشخاص میں سے ہے جنہوں نے اپنی نیک استعداد کو فنا کر کے خود کو اس کا مصدقہ بنالیا ہے یعنی اللہ نے مہر لگادی ان کے دلوں پر اور ان کے

دن اور رقعہ سے حران دو دن کی مسافت پر ہے حران ایک قدیم شہر ہے اور حضرت ابراہیم کے دور میں یہ چاند دیوتا سین کا گھر تھا اس لیے کہ حران کا سب سے بڑا دیوتا بھی کیونکہ اسے تسلیم کیا جاتا تھا اس کی بناء پر الیرونی نے اس شہر کا نام ہی سین لکھ دیا اس شہر کی شکل چاند سے مشابہ تھی۔

حران شہر پر عربوں نے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بغیر لا ای کے قبضہ کیا تھا اس دور میں یہ شہر دیار مصر کے اہم ترین شہروں میں سے تھا البلاد زری نے لکھا ہے کہ اس شہر نے عیاض بن غنم کے آگے ہتھیار ڈالے تھے۔

حضرت عمر بن عبد العزیز نے طب کے ایک مدرسے کو سکندریہ سے حران منتقل کر دیا تھا مروان ثانی نے یہاں سکونت اختیار کر کے اسے اموی سلطنت کا دار الحکومت بنادیا تھا حران کی پہلی مسجد اسی کے عہد میں تعمیر ہوئی۔ بقول یعقوبی مروان نے اپنا محل اس نظام پر بنایا جو باب البین کہلاتا تھا اور اس کی تعمیر پر ایک کروڑ رہم خرچ کیے تھے۔

جب بنو عباس نے عراق اور ایران پر قبضہ کر لیا تو مروان ثانی عباسی فوج سے جنگ کرنے کے لیے حران ہی سے بارہ ہزار کاشکر لے کر روانہ ہوا تھا پاروں الرشید نے دریائے جلاب سے حران تک ایک نہر بھی بنوائی تھی۔

عباسی عہد کے آغاز میں یہ شہر مترجمین کے ایک اہم مکتب کا گڑھ تھا مشہور مترجم البطانی بھی حران کا ہی کا باشندہ تھا یہ شہر محبیوں کا بھی اہم مرکز تھا سلطان نور الدین زنگی نے اس شہر پر 544 ہجری میں قبضہ کیا سلطان صلاح الدین ایوبی

کیا تو فوراً خدا کے حکم سے اس کی پکڑ ہوئی اور وہ زمین میں دھنے لگا تو گھبرا کر چلا۔

”سارہ تو اپنے خدا سے دعا کر کہ وہ مجھے نجات دے دے میں تجھے قطعاً کوئی ضرر نہیں پہنچاؤں گا۔“

چنانچہ آپ کی دعا کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے نجات دے دی مگر پھر وہ گناہ کی نیت سے آپ کی طرف بڑھا تو دوبارہ اسے قدرت نے پکڑا اور پہلے سے بھی زیادہ شدید گرفت کی دوبارہ اس نے عاجزی اور اعساری سے کہا۔

”سارہ اب کی بار خدا کی بارگاہ میں دعا کر کہ مجھے نجات دے میں ہرگز تجھے اذیت نہیں دوں گا۔“ بہر حال آپ نے دعا فرمائی اللہ تعالیٰ نے اسے معاف کر دیا چنانچہ بادشاہ درباریوں سے کہنے لگا۔

”یہ تو کوئی جن ہے اس لیے کہ وہ لوگ جنوں کی عظمت کے بڑے معتقد ہوا کرتے تھے چنانچہ حضرت سارہ کو جانے دیا اور اپنی بیٹی یعنی شہزادی کو نام جس کا ہاجرہ تھا سے بھی حضرت ابراہیم کے عقد میں دے دیا تاکہ وہ ان کی خدمت کرے چنانچہ جب حضرت سارہ واپس آئیں تو حضرت ابراہیم نماز پڑھ رہے تھے آپ نے انہیں خوش خبری سنائی کہ اللہ پاک نے ظالم کے مکروف فریب سے نجات مرحمت فرمائی ہے اور اس نے ہاجرہ کو آپ خدمت کے لیے پرد کر دیا ہے۔

قدیم عربی کتابوں میں مصر کے بادشاہوں کی بیٹی کے لیے لفظ ہاجرہ استعمال ہوا جو فی الحقیقت عبرانی لفظ یا غار سے ہے جس کے معنی بیگانہ اور اجنبی

کالوں پر اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے۔

حضرت ابراہیم کو جب یہ معلوم ہو گیا تو آپ نے آزر سے اپنی برأت کا صاف صاف اعلان کر دیا کہ جو امید میں نے لگائی تھی وہ ختم ہو گئی اس لیے اب استغفار کا سلسہ بے محل ہے اسی سلسلے میں قرآن مجید کا کہنا ہے۔

”اور ابراہیم اپنے باپ کے لئے استغفار کرنے والا نہ تھا مگر اس وعدے کے مطابق جو اس نے اپنے باپ سے کیا تھا پر جب اس پر یہ ظاہر ہوا کہ یہ تو خدا کا دشن ہے یعنی اس کا آخری انجام ہی ہو گا تو اس سے بے زاری کا اظہار کر دیا بے شک ابراہیم رکیک القلب بردبار تھا۔

چنان چہ جب حران شہر میں بھی آپ کی تبلیغ کا کوئی اثر نہ ہوا تب آپ وہاں سے بھی نکلے اور فلسطین کا رخ کیا فلسطین ان کنعانیوں کے زیر اثر تھا چنانچہ فلسطین میں داخل ہونے کے بعد آپ ناہل شہر پہنچے کچھ عرصہ وہاں قیام کیا اس کے بعد یہاں بھی زیادہ مدت قیام نہ فرمایا اور آگے بڑھتے چلے گئے یہاں تک کہ مصر جا پہنچے۔

فلسطین سے نکل کر جب آپ مصر میں داخل ہوئے تو امام بخاری سیدنا ابو ہریرہ سے روایت کرتے ہیں کہ بادشاہ مصر کو اطلاع کی گئی کہ ایک نووار داپنے روؤڑوں کے ساتھ یہاں آیا ہے اور اس کے ساتھ ایک حسین و جمیل عورت ہے۔ چنانچہ بادشاہ نے سارہ کو اپنے دربار میں طلب کیا

اور حضرت ابراہیم کی مرضی سے جب سارہ مصر کے بادشاہ کے دربار میں حاضر ہوئیں تو بادشاہ نے برے ارادے سے آپ کی طرف دست تصرف دراز

کے ہیں یہ فرعون مصر کی شہزادی تھی مورخین لکھتے ہیں کہ حضرت ابراہیم جب نابلس شہر جو فلسطین کے مغربی کے اطراف میں واقع اور کنعانیوں کے زیر اقتدار تھا چل کر مصر پہنچ تو وہاں کے بادشاہ نے حضرت سارہ کی شخصیت اور کرامات سے متاثر ہو کر حضرت ہاجرہ کو آپ کی خدمت کے لیے وقف کر دیا یہاں کی حکمران قوت عرب کی سامی قوم تھی جس سے آپ کے نہایت قریبی نصی تعلقات بھی تھے لفظ ہاجرہ کا عبرانی ہونا بھی اس دعوے کی بین دلیل ہے اور فرعون کا ہاجرہ کو آپ کی اس ازواج سے نصی تعلق کا استحکام مقصود تھا یہ محض قیاس آرائی ہی نہیں بلکہ یہودی روایات بھی اس پر مہر تصدیق ثبت کرتی ہیں۔

کچھ مورخین یہ بھی لکھتے ہیں کہ ہاجرہ مصر کے بادشاہ کی بیٹی تھی بادشاہ نے جب سارہ کی کرامات دیکھیں تو کہا اس کے گھر میں بیٹی کا کنیز بن کر رہنا و مسرور کے گھر میں بیوی بن کر رہنے سے بہت بہتر ہے۔

علامہ سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں کہ اس سے یہ بات ظاہر ہے کہ بڑی بیوی ہونے کی حیثیت سے وہ حضرت سارہ کی خدمت گزار تھیں بادشاہ حضرت ابراہیم اور حضرت سارہ کے تقدس سے متاثر ہو کر اپنی بیٹی اس مقدس جوڑے کی خدمت کے لیے ان کے حوالے کی تھی۔

ان حقائق کی روشنی میں وہ اسرائیلی خرافات بھی طشت از بام ہو جاتے ہیں جن میں حضرت ہاجرہ کی عربی لفسل ہونے کا انکار کیا گیا ہے اور انہیں اس طرح کی ایک کثیر گردانی کیا ہے جو قدریم معاشرے میں رسوائے زمانہ اور حقوق انسانی سے محروم اور شجر مخصوص سمجھی جاتی تھی جبکہ یہ کنیز یا باندی نہیں یہ ملک شاہ مصر کی

شہزادی تھی اس کی تفصیل کے لیے بہت سے محققین نے تحقیق کی ہے۔ کچھ مورخین اس واقعہ کو اس طرح بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیم نے اپنی بیوی سارہ اور اپنے برادرزادہ حضرت لوٹ کے ساتھ مصر تشریف لے گئے اور یہ وہ زمانہ تھا جب کہ مصر کی حکومت ایسے خاندان کے ہاتھ میں تھی جو سامی قوم سے تعلق رکھتا تھا اور اس طرح حضرت ابراہیم سے نصی سلسلہ وابستہ تھا یہاں پہنچ کر حضرت ابراہیم اور فرعون مصر کے درمیان ضرور کوئی ایسا واقعہ پیش آیا جس سے اس کو یقین ہو گیا کہ ابراہیم اور اس کا خاندان خدا کا مقبول اور برگزیدہ خاندان ہے یہ دیکھ کر اس نے حضرت ابراہیم اور ان کی بیوی حضرت سارہ کا بہت اعزاز کیا اور ان کو ہر قسم کے مال و متاع سے نوازا اور صرف اسی پر اکتفا نہ کیا بلکہ اپنے قدیم خاندانی رشتے کو مضبوط اور مستحکم کرنے کے لیے اپنی بیٹی ہاجرہ کو بھی حضرت ابراہیم کی زوجیت میں دے دیا جو اس زمانہ کے رسم و رواج کے اعتبار سے پہلی اور بڑی بیوی کی خدمت گزار ہوں۔

بہر حال بڑے انعام و اکرام اور عزت کے ساتھ فرعون نے حضرت ابراہیم کو مصر سے رخصت کیا۔

مصر سے روانہ ہو کر حضرت ابراہیم نے فلسطین میں قیام کرنے کا ارادہ کیا تھا اور روانگی سے قبل آپ نے اپنے بھتیجے حضرت لوٹ کے ساتھ ایک معاملہ طے کیا تو ریت میں ہے کہ مصر میں قیام میں دونوں کے پاس کافی ساز و سامان تھا اور مویشیوں کے بڑے بڑے ریوڑ تھے اس لئے ان کے چروں ہوں اور محافظوں کے درمیان بہت زیادہ کشمکش رہنے لگی تھی حضرت ابراہیم کے چروں ہے چاہتے

تھے کہ اس جگہ اور بزرہ زار سے پہلے ہمارے ریوڑ فاکدہ اٹھائیں اور حضرت لوٹ کے چروہوں کی خواہش ہوتی کہ اول ہمارا حق سمجھا جائے۔

حضرت ابراہیم نے اس صورت حال کا اندازہ کر کے حضرت لوٹ سے مشورہ کیا اور دونوں کی صلاح سے یہ طے پایا کہ باہمی تعلقات کی خوشگواری اور دائیٰ محبت اور الفت کی بقا کے لئے ضروری ہے کہ حضرت لوٹ مصر سے بھرت کر کے شرق اردن کا علاقہ بدوم اور عمورہ چلے جائیں اور وہاں رہ کر دین حنیف کی تبلیغ کریں اور حضرت ابراہیم کی رسالت کا پیغام حق سناتے رہیں اور حضرت ابراہیم پھر واپس فلسطین چلے جائیں اور وہاں رہ کر اسلام کی تعلیم اور تبلیغ کو سر بلند کریں چنانچہ یہ فیصلہ ہونے کے بعد مصر سے نکلے اور فیصلے کے مطابق اپنے ریوڑ چلے گئے اور وہاں انہوں نے تبلیغ کا کام شروع کر دیا جبکہ حضرت ابراہیم فلسطین میں داخل ہوئے اور وہاں آپ نے قیام کر لیا۔

فلسطین میں قیام کے دوران ہی آپ کے ہاں آپ کے بڑے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام حضرت ہاجرہ سے پیدا ہوئے آپ کی پیدائش کے بعد جس وقت کہ حضرت ابراہیم فلسطین میں مقیم تھے اور حضرت اسماعیل شیر خوار بچہ تھے اس وقت خدا کی طرف سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ حکم ملا کہ خانہ کعبہ کو پاک صاف کر کے نماز سے آباد رکھیں اس حکم کی تعمیل کے لئے جبراہیل امین کی راہنمائی میں حضرت ابراہیم اپنی بیوی ہاجرہ اور حضرت اسماعیل کو لے کر حجاز کی طرف روانہ ہوئے۔

مفرین لکھتے ہیں کہ راستے میں جب کسی بستی پر نظر پڑتی تو حضرت ابراہیم جبراہیل امین سے دریافت کرتے کیا ہمیں یہاں اترنے کا حکم ملا ہے تو حضرت جبراہیل جواب میں فرماتے نہیں آپ کی منزل آگئے ہے یہاں تک کہ مکہ مکہ سے کی جگہ سامنے آئی جس میں کائنے دار جہاڑیاں اور بجول کے درختوں کے سوا کچھ نہ تھا اس قطع زمین کے آس پاس لوگ بستے تھے جن کو عمالیق کہا جاتا ہے بیت اللہ اس وقت ایک ٹیلے کی شکل میں تھا حضرت خلیل اللہ نے اس جگہ پہنچ کر جبراہیل امین سے دریافت کیا کیا ہماری منزل یہ ہے تب حضرت جبراہیل نے فرمایا ہاں۔

حضرت ابراہیم مع اپنے صاحبزادے اور اپنی بیوی ہاجرہ کے وہاں اترے اور اپنے اہل خانہ کو لے کر حضرت لوٹ اردن کے علاقے بدوم اور عمورہ کی طرف چلے گئے اور وہاں انہوں نے تبلیغ کا کام شروع کر دیا جبکہ حضرت ابراہیم فلسطین میں پانی رکھ دیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو وہاں ٹھہر نے کا حکم نہ تھا وہ اس شیر خوار بچے اور ان کی والدہ حضرت ہاجرہ کو حوالہ خدا کر کے واپس ہونے لگے۔ جانے کی تیاری دیکھ کر حضرت ہاجرہ نے عرض کیا ہمیں اس لاق و دق میدان میں چھوڑ کر آپ کہاں جاتے ہیں جس میں نہ کوئی مونس و مدگار ہے نہ زندگی کی ضروریات۔

حضرت ابراہیم نے کوئی جواب نہ دیا اور چلنے لگے حضرت ہاجرہ ساتھ اٹھیں پھر بار بار یہی سوال دہرا یا حضرت ابراہیم کی طرف سے کوئی جواب نہ ملا یہاں تک کہ خود ان کے دل میں بات آئی اور عرض کیا۔

عالم بجز کے تھے پانی ختم ہونے کے بعد خود بھی بیاس سے ہے ہیں اور شیر  
خوبی بھی اس وقت پانی کی ٹھاٹ میں ان کا لکھنا اور بھی کوہ صفا پر اور زبھی کوہ  
زبھے پڑھنا اور ان دونوں کے درمیان روڑ دوڑ کر راستے پلے کرنا تاکہ حضرت  
ہمایل آنکھوں کے سامنے آ جائیں اور مسلمانوں میں معروف ہے اور جس میں  
خاتم نبی مسیح کی وجہ پر اسی کی سائنس کی تھی۔

ظاہر وہ کہ درمیان سی کیا آجیں اسی کی یادگار ہے۔  
اس واقعی میں حضرت جبراہیل امین کا بیکلم خداوندی وہاں پہنچنا اور حشمت  
زمدم کا چاری کنواہ پر قبیلہ جرم کے بھائوں کا وہاں جا کر آباد ہو جانا اور  
حضرت اس امیل کے عماں ہونے کے بعد قبیلہ جرم کی ایک لوکی سے غادی  
ہبہ اپنے سعی خاری کی بولیات میں تفصیل کے ساتھ حضرت اس امیل کے

وقایت میں تفصیل ہے۔

کہتے ہیں کہ حضرت ابو ابراهیم اپنی یوگی اور بیٹے سے ملنے کے لئے مسلمان  
چھوڑ کی سرزینی میں اکٹا اکٹے تھا ایک دوڑ حضرت ابو ابراهیم حسب معاشر  
حضرت ابرہم کی ناداں کے لیے کہ کمر پہنچوڑ کیا کہ حضرت اس امیل ایک  
دروغت کے لیے پہنچنے والے تھے۔

چھوڑ حضرت اس امیل اپنے والدہ ابوجہاد حضرت ابو ابراهیم کو دیکھ کر لکھنے  
ووکے داکت کے بعد حضرت ابو ابراهیم نے اپنے دوڑ کو ہب کر کافر میں  
”محض تسلیم نہ ایک“ کا بھروسہ ہے کیا انہیں میں سبھی مدد کیں۔

لائیں وہ میں فرمیں لازم تر ہوں گے ایک دوڑ کو ہب کر کافر میں کافر میں  
حضرت ابو ابراهیم طیار ہوئے اسی طیار کی طرف اس کو جسیں پیدا کیا جائے۔

”کیونکہ تعالیٰ نے آپ سے ایک کہنا ہے کہ اس کا کم برہن ہے“

”حضرت ابو ابراهیم نے فرمایا کہ تم کے فناہی کی طرف ہے“

وہی کہ حضرت ابو ابراهیم نے کمال احتمام کیا فرمایا۔ ”تو یہ آپ شوق  
بھائی میں نہ ملتا آپ کی وجہ پر اسی کی سائنس کی تھی۔“

حضرت ابو ابراهیم نے خود بھی دہانی میں کل کرے ہے اگرچہ خود پر

اس کی باری کا پیالہ کا ہے اسی طبقہ کے میڈی پپلے جہاں سے حضرت

حضرت کی وجہ پر اس کے اس بڑی ایک دلیل اسی طبقہ کے ضرور پر دعا

لیں۔ ”آپ سے ہبے ہو چکا اس کا اس دلیل ہے جسے یہاں کو اور یہاں سے حاضر

لے چکا اس کی وجہ پر ہبے کر دیکھا۔“

اسے ۱۰۰ سو روپ میں اپنی اولاد کا اپ کے قریب ایک

بیانیں میں معاشر کے کامل اسی سے ہبے کا ہوں اسے حادثہ دنہب نا کہ

میراں کی وجہ پر اس کے کوپہ اس کی طرف پاک کر دیجئے اور

کوکھل کی وجہ پر اس کی وجہ پر اس کی وجہ کر دیں۔“

لیکن اسی خود میں اپنے سے پہلے اسی کے سے نے میراں کو پہنچا دیا اور اس کی

لیکن اسی خود کے ساتھ اسے کام کے کام میں کھڑا اور دیا ہے مگر اس کے

لیکن اسی خود کی وجہ پر اس کی وجہ پر اس کی وجہ پر اس کی وجہ پر اس کی

لیکن اسی خود کے ساتھ اسے کام کے کام میں کھڑا اور دیا ہے مگر اس کے

لیکن اسی خود کے ساتھ اسے کام کے کام میں کھڑا اور دیا ہے مگر اس کے

لیکن اسی خود کے ساتھ اسے کام کے کام میں کھڑا اور دیا ہے مگر اس کے

حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ نے فرمایا کوئی آدمی اس کی زیارت سے کبھی سیر نہیں ہوتا بلکہ ہر مرتبہ پہلے سے زیادہ زیارت اور طواف کا شوق لے کر لوٹتا ہے بعض علماء نے فرمایا کہ قبول حج کے معاملات میں سے ہے کہ وہاں سے لوٹنے کے بعد پھر وہاں جانے کا شوق دل میں پائے چنانچہ عام طور پر اس کا مشاہدہ کیا جاتا ہے کہ پہلی مرتبہ جتنا شوق زیارت بیت اللہ کا ہوتا ہے دوسری مرتبہ کے لیے اس شوق میں اختلاف ہو جاتا ہے۔

یہ معجزہ بیت اللہ کی ہی خصوصیت ہو سکتی ہے ورنہ دنیا کے بہتر سے بہتر مناظر کو انسان ایک دو مرتبہ دیکھ لینے کے بعد سیر ہو جاتا ہے اور پانچ سال مرتباً دیکھنے کے بعد دیکھنے کا دھیان بھی نہیں آتا اور یہاں تو نہ کوئی خوش منظر جگہ ہے نہ وہاں پہنچنا کچھ آسان ہے نہ وہاں دنیا کے کار و بار کی کوئی اہمیت ہے اس کے باوجود لوگوں کے دل میں اس کی تڑپ ہمیشہ موجز نہ رہتی ہے بھاری رقم خرچ کر کے سینکڑوں مشقتیں جھیل کر وہاں پہنچنے کے بعد مشتاق رہتے ہیں۔

اس کے علاوہ خدا نے حرم مکہ کو جائے امن بنادیا اور جائے امن بنادیئے سے مراد لوگوں کو یہ حکم دینا ہے کہ حرم محترم کو عام قتل و قتل اور انتظام سے بالا رکھیں۔

چنانچہ زمانہ جاہلیت میں بھی عربوں کے ہاتھ میں ملت ابراہیمی کے جو آثار باقی رہ گئے تھے ان میں یہ بھی تھا کہ حرم میں اپنے باپ اور بھائی کا قاتل بھی کسی کو ملتا تو انتقام نہیں لیتے تھے اور عام جنگ و قتل کو بھی حرم میں حرام سمجھتے تھے جس پھر پرکھرے ہو کر حضرت ابراہیم تعمیر کعبہ کا کام لیتے تھے وہ اب مقام

کہا کہ مجھے اس کی تعمیر کا حکم ملا ہے۔

بیت اللہ کے حدودار بعثۃ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو بتاذیٰ تھے چنانچہ دونوں باپ بیٹے اس کام میں لگے تو بیت اللہ کی قدیم بنیادیں نکل آئیں۔

بعض روایات حدیث اور تاریخ میں مذکور ہے کہ بیت اللہ پہلے سے موجود تھا کیونکہ تمام آیات میں کہیں بیت اللہ کی جگہ بتلادیے کا ذکر آیا کہیں اس کو پاک صاف رکھنے کا ذکر ہے یہ کہیں مذکور نہیں کہ آج کوئی نیا گھر تعمیر کروانا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ بیت اللہ کا وجود اس واقعہ سے پہلے موجود تھا پھر طوفان نوح کے وقت منہدم ہو گیا یا اٹھا لیا گیا صرف بنیادیں موجود ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کعبہ کے پہلے بنی نہیں بلکہ بنائے سابق کی بنیادوں پر جدید تعمیر ان کے ہاتھوں میں ہوئی۔

اب رہایہ معاملہ کہ پہلی تعمیر کس نے اور کس وقت کی اس میں کوئی صحیح اور قولی روایت حدیث کی منقول نہیں اہل کتاب کی روایات ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے سب سے پہلے اس کی تعمیر حضرت آدم کے اس دنیا میں آنے سے پہلے ہی فرشتوں نے کی تھی پھر حضرت آدم نے اس کی تجدید فرمائی یہ طوفان نوح تک باقی رہی طوفان نوح میں منہدم ہو جانے کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے ارسن نو تعمیر فرمائی اس کے بعد اس تعمیر میں شکست ریخت تو ہمیشہ ہوتی رہی مگر منہدم نہیں ہوئی۔

چنانچہ خدا نے بیت اللہ کو یہ خاص فضیلت بخشی کہ وہ ہمیشہ مرجع خلائق بنا رہے گا اور لوگ بار بار اس کی طرف جانے اور لوٹنے کے آرزومند رہیں گے۔

فرمایا اور مکہ کے قریب ہی طائف کا ایسا خطہ بنادیا جس میں ہر طرح کے بہترین پھل بکثرت پیدا ہوتے ہیں اور مکہ مکرمہ آ کر فروخت ہوتے ہیں بعض اسرائیلی روایات میں ہے کہ طائف دراصل ملک شام کا خطہ تھا جس کو حکم خداوندی جبراائل امین نے شام سے عرب میں منتقل کر دیا۔

حضرت ابراہیم نے یہ بھی دعا مانگی کہ اپنی آئندہ نسل کی فلاج دنیا اور آخرت کے واسطے میری اولاد میں ایک رسول بھی بیچجے دیجیے جو لوگوں کو آپ کی آیات تلاوت کر کے سنائے اور قرآن و سنت کی تعلیم دے اور ان کو ظاہری اور باطنی راہ روی سے پاک کرے۔

اس میں حضرت ابراہیم نے اس رسول کے لیے اپنی اولاد میں ہونے کی دعائیں کیں کہ اول تو یہ اپنی اولاد کے لیے سعادت اور شرف ہے دوسرا یہ اس لیے دعا فرمائی کہ اول تو یہ اپنی اولاد کے لیے سعادت بھی ہے وہاں پہنچ کر اپنی سب سے بڑی سعادت سمجھتے ہیں اور مامون محفوظ بھی ہو گیا کہ بیت اللہ کے مخالف کسی قوم اور کسی بادشاہ کا اس پر تسلط نہیں ہو سکا اصحاب فیل کا واقعہ خود قرآن پاک میں مذکور ہے کہ انہوں نے بیت اللہ پر حملے کا قصد کیا تو پورے کا پورا اشکرتباہ و بر باد کر دیا گیا۔

حضرت ابراہیم کے قدم مبارک بطور مجوزہ نشان پڑ گیا تھا اور جس کو تعمیر بیت اللہ کے وقت آپ نے استعمال کیا تھا حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے اس پتھر میں حضرت ابراہیم کے قدم مبارک کا نقش دیکھا ہے مگر لوگوں کے بکثرت چھو نے اور ہاتھ لگانے سے اب وہ نشان ہلکا پڑ گیا ہے۔

حضرت ابراہیم نے خدا کے حضور مکہ کے لیے امن والا شہر بنادیئے کی دعا مانگی تھی جو قتل و غارت گری سے کفار کے تسلط سے اور آفات سے مامون اور محفوظ رہے۔

حضرت ابراہیم کی یہ دعا قبول ہوئی اور مکہ مکرمہ ایسا آباد شہر ہو گیا کہ اس کی اپنی آبادی کے علاوہ ساری دنیا کا مر جن بن گیا اطراف عالم نے مسلمان وہاں پہنچ کر اپنی سب سے بڑی سعادت سمجھتے ہیں اور مامون محفوظ بھی ہو گیا کہ بیت اللہ کے مخالف کسی قوم اور کسی بادشاہ کا اس پر تسلط نہیں ہو سکا اصحاب فیل کا واقعہ خود قرآن پاک میں مذکور ہے کہ انہوں نے بیت اللہ پر حملے کا قصد کیا تو پورے کا پورا اشکرتباہ و بر باد کر دیا گیا۔

دعائے ابراہیم کے مطابق اللہ تعالیٰ نے اس شہر کو ایک مامون شہر اور تمام دنیا کے لیے امن کی جگہ قدرتی طور پر بھی بنادی ہے یہاں تک کہ دجال کو بھی حرم میں داخل ہونے کی قدرت نہ ہوگی۔

ایک اور حضرت ابراہیم نے یہ دعا فرمائی کہ اس شہر کے باشندوں کو بچلوں کا رزق عطا فرمائے اور اس کے آس پاس کی زمین نہ کسی باغ و چمن کی متحمل تھی نہ وہاں دور دور تک پانی کا نام و نشان تھا مگر حق تعالیٰ نے دعائے ابراہیم کو قبول

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حضرت ابراہیم یہ دیکھ کر فکر مند ہوئے اور اندیشہ لاحق ہوا کہ یہ مہمان نہیں معلوم ہوتے ممکن ہے کسی فساد کی نیت سے آئے ہوں۔

فرشتوں نے ان کا یہ اندیشہ معلوم کر کے بات کھول دی اور بتا دیا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے فرشتے ہیں آپ گھبرائیں نہیں ہم آپ کو اولاد کی بشارت دینے کے علاوہ ایک اور کام کے لئے بھیج گئے ہیں کہ قوم لوٹ پر عذاب نازل کریں۔

حضرت ابراہیم کی زوجہ محترم حضرت سارہ پس پرده یہ گفتگو سن رہی تھیں انسانی صورت میں حضرت ابراہیم کے پاس آئے اس سے متعلق مورخین اور مفسرین لکھتے ہیں کہ خدا نے چند فرشتوں کو ان کے پاس اولاد کی بشارت دینے

کے لیے بھیجا کیونکہ حضرت ابراہیم کی زوجہ حضرت سارہ سے کوئی اولاد نہ تھی اور

”کیا میں بڑھایا ہو کر اولاد جنوں گی اور یہ میرے شوہر بھی بودھے ہیں۔“ فرشتوں نے جواب دیا کیا تم اللہ تعالیٰ کے حکم پر تعجب کرتی ہو جس کی قدرت میں سب کچھ ہے خصوصاً تم خاندان نبوت میں رہ کر بھی اس کا مشاہدہ کرتی رہتی ہو اس خاندان پر اللہ تعالیٰ کی غیر معمولی رحمت نازل ہوتی رہی ہے جو اکثر سلسلہ اسباب ظاہری سے بالاتر ہوتی ہے پھر تعجب کی کیا بات ہے اس واقعے پر روشنی ڈالتے ہوئے حضرت عبد اللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ جو فرشتے حضرت

ابراہیم کے پاس اس موقع پر آئے وہ تعداد میں تین تھے جن میں سے ایک جبرائیل، دوسرے میکائیل اور تیسرا اسرافیل تھے انہوں نے بھل انسان آئے تھے اس لئے حضرت ابراہیم نے ان کو عام مہمان سمجھ کر مہمان نوازی شروع کی بھنا ہوا گوشت سامنے لا کر رکھا مگر وہ تو حقیقتاً فرشتے تھے کھانے پینے سے پاک اس لئے کھانا سامنے ہونے کے باوجود اس کی طرف ہاتھ نہیں

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جس وقت حضرت سارہ یعنی اپنی بیوی کے ساتھ فلسطین میں قیام کر رکھا تھا اور آپ کی دوسری زوجہ حضرت ہاجرہ اور آپ کا بڑا بیٹا حضرت اسماعیل سرز میں حجاز میں تھے تب ایک دن اور ایک موقع پر فرشتے انسانی صورت میں حضرت ابراہیم کے پاس آئے اس سے متعلق مورخین اور مفسرین لکھتے ہیں کہ خدا نے چند فرشتوں کو ان کے پاس اولاد کی بشارت دینے

کے لیے بھیجا کیونکہ حضرت ابراہیم کی زوجہ حضرت سارہ سے کوئی اولاد نہ تھی اور ان کو اولاد کی بڑی تمنا تھی مگر دونوں کا بڑھا پا تھا بظاہر کوئی امید نہ تھی چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے ذریعے خوبخبری بھیجی اور وہ بھی اس شان کی کہ زرینہ اولاد ہوگی اور اس کا نام بھی اسحاق تجویز فرمادیا اور یہ بھی بتا دیا کہ وہ زندہ رہیں گے اور وہ بھی صاحب اولاد ہوں گے ساتھی یہ بھی بتا دیا کہ ان کے لڑکے کا نام یعقوب ہو گا اور دونوں اللہ تعالیٰ کے رسول اور پیغمبر ہوں گے۔

یہ فرشتے جس وقت حضرت ابراہیم کے پاس آئے تو وہ انسانی شکل میں آئے تھے اس لئے حضرت ابراہیم نے ان کو عام مہمان سمجھ کر مہمان نوازی شروع کی بھنا ہوا گوشت سامنے لا کر رکھا مگر وہ تو حقیقتاً فرشتے تھے کھانے پینے سے پاک اس لئے کھانا سامنے ہونے کے باوجود اس کی طرف ہاتھ نہیں

شمع بک ایجنسی 73 حضرت ابراہیم علیہ السلام

میں مہمان نوازی کی رسم جاری فرمائی ان کا معمول یہ تھا کہ کبھی تنہا کھانا نہ کھاتے بلکہ ہر کھانے کے وقت ملاش کرتے تھے کہ کوئی مہمان آجائے تو اس کے ساتھ کھائیں بعض اسرائیلی روایات میں یہ نقل کیا گیا ہے کہ ایک روز کھانے کے وقت حضرت ابراہیم نے مہمان کی ملاش شروع کی تو ایک اجنبی آدمی ملا جب وہ کھانے پر بیٹھا تو حضرت ابراہیم نے فرمایا بسم اللہ کہو۔

اس نے کہا ”میں نہیں جانتا اللہ کون ہے اور کیا ہے؟“

حضرت ابراہیم نے اس کو دستر خوان سے اٹھا دیا جب وہ باہر چلا گیا تو جبرائیل ایمن آئے اور کہا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے تو اس کے کفر کے باوجود ساری عمر اس کو رزق دیا اور آپ نے ایک لقمہ دینے میں بخل کیا۔

یہ سنتے ہی حضرت ابراہیم اس شخص کے پیچے دوڑے اور اس کو واپس بلا لیا اس نے کہا جب تک آپ اس کی وجہ نہ بتائیں گے کہ پہلے کیوں مجھے نکالا گیا۔

اب پھر کیوں بلا رہے ہیں میں اس وقت تک آپ کے ساتھ نہ جاؤ نگا۔ چنانچہ حضرت ابراہیم نے واقعہ بتادیا اور ہمیں واقعہ اس کے مسلمان اور اسلام لانے کا سبب بن گیا اس نے کہا وہ رب جس نے حکم بھیجا ہے بڑا کریم ہے میں اس پر ایمان لاتا ہوں پھر حضرت ابراہیم کے ساتھ گیا اور مومن ہو کر بسم اللہ ڈھن کر کھانا کھایا۔

ان فرشتوں سے متعلق ایک اور روایت یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ ان کے ہاتھ میں کچھ تیر تھے ان کی نوک کو اس تلے ہونے گوشت پر لگانے لگے اور اس کے عمل سے حضرت ابراہیم کو اپنے اندازے کے مطابق یہ خطرہ لاحق ہو گیا کہ

اس موقع پر جب وہ فرشتے حضرت ابراہیم کے پاس آئے تو انہوں نے پہلے سلام کیا اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے کہ مسلمانوں کے لئے سنت ہے کہ آپس میں طیں تو سلام کریں آنے والے مہمان کو اس میں پیش قدمی کرنی چاہیے اور دوسروں کو جواب دینا چاہئے گویہ رسم تو ہر قوم اور ملت میں پائی جاتی ہے کہ ملاقات کے وقت ایک دوسرے کو خوش کرنے کے لئے کچھ کلمات بولے جاتے ہیں لیکن اسلام کی تعلیم اس معاملے میں بے نظیر اور بہترین ہے کیونکہ سلام کا مسنون لفظ جو مسلمان اسلام علیکم کہتے ہیں اور مخاطب سے اللہ تعالیٰ سے سلامتی کی دعا بھی ہے اور اپنی طرف سے اس کی جان و مال اور آبرو کے لئے سلامتی کی ضمانت بھی ہے۔

اس موقع پر جو فرشتے حضرت ابراہیم سے ملاقات کے لئے آئے ان سے مہمانداری کے اصول بھی مرتب کیے جاتے ہیں کہ مہمان نوازی کے آداب میں سے یہ ہے کہ مہمان کھاتے ہیں جو کچھ کھانے پینے کی چیز میسر ہو اور جلدی سے مہیا ہو سکے وہ لار کھے پھر اگر صاحب خانہ و سمعت رکھتا ہے تو مزید مہمان نوازی کا انتظام بعد میں کرے۔

جاری ہے۔

اس کے علاوہ سورہ انبیاء میں حضرت ابراہیم سے متعلق فرمایا۔

”بلاشبہ ہم نے ابراہیم کو رشد و ہدایت شروع ہی سے بخش دیا اور ہم ہی اسکو

جاننے والے ہیں۔“

یہ اور اس قسم کی بہت سی آیات حضرت ابراہیم کی ان خصوصی صفات کا ذکر کرتی اور نصوص قطیعہ پیش کرتی ہیں کہ جن کے بعد ایک لمحہ کے لئے بھی ان جیسی مقدس اور جلیل القدر ہستی کے متعلق کوئی غلط رائے کا تصور نہیں ہو سکتا۔

بہر حال حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بڑے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام جب جوان ہوئے تو حضرت ابراہیم ان کے پاس واپس آئے اور مکہ کی آبادی کو دیکھ کر انہوں نے وہاں اللہ کا گھر کعبہ تعمیر کیا چنانچہ اسی لئے کعبہ کی عظمت مسلمانوں کے دل میں ہے کیونکہ یہ سب سے پہلی مسجد تھی جو خدا نے اس کے علاوہ سورہ النمل میں حضرت ابراہیم کے متعلق فرمایا۔ ”بے شک

ابراہیم حکم برادری کی راہ ڈالنے والا تھا اور خالص اللہ کی طرف جھکنے والا تھا اور مشرکوں میں سے نہ تھا خدا کی نعمتوں کا شکر گزار تھا خدا نے اس کو جن لیا اور سیدھی راہ کی اس کو پہنچا دی۔“

اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام پورے اترے تو اللہ تعالیٰ دیا اس آزمائش میں جب حضرت ابراہیم علیہ السلام پورے اترے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں امام الناس کا خطاب دیا اور ساتھ ہی انہیں ایک اور بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی بھی بشارت دی۔

ان تمام واقعات و حالات کے پیش نظر یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ حضرت ابراہیم کی ذات انبیاء میں بہت اہم ہے اللہ تعالیٰ سورہ مریم میں حضرت ابراہیم سے متعلق فرماتا ہے۔

”یاد کرو کہ کتاب میں ابراہیم کا ذکر بے شک وہ صدق تھا۔“

صدیق مبالغہ کا صیغہ ہے اور اس ہستی پر اس کا اطلاق کیا جاتا ہے صدق جس کی ذاتی اور نفیاتی صفت ہو۔

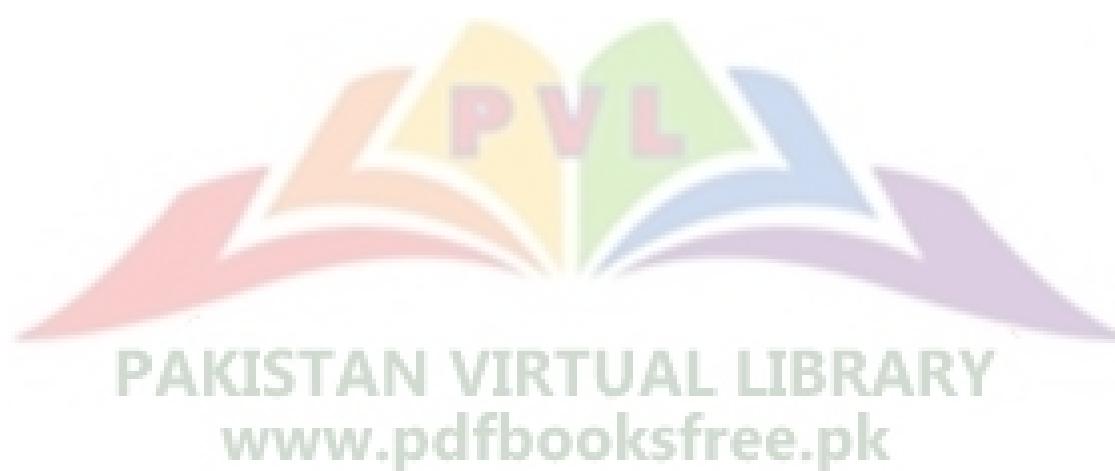
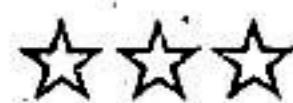
اس کے علاوہ سورہ النمل میں حضرت ابراہیم کے متعلق فرمایا۔ ”بے شک ابراہیم حکم برادری کی راہ ڈالنے والا تھا اور خالص اللہ کی طرف جھکنے والا تھا اور مشرکوں میں سے نہ تھا خدا کی نعمتوں کا شکر گزار تھا خدا نے اس کو جن لیا اور سیدھی راہ کی اس کو پہنچا دی۔“

اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام پورے میں حضور اکرم ﷺ کو مخاطب کر کے سورہ النمل میں فرمایا۔

”پھر ہم نے تیری طرف وہی تجھی کہ تو ملت ابراہیم کی پیروی کر جو ابراہیم کے خالص خدا کی طرف جھکنے والا تھا۔

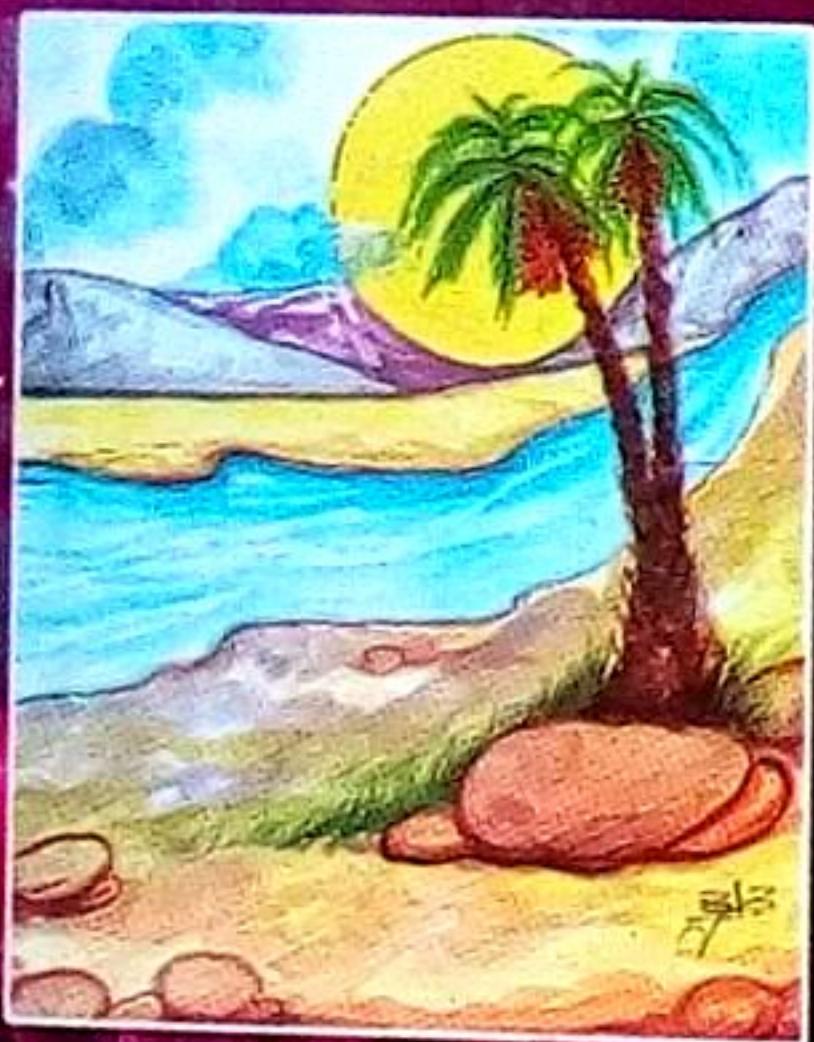
یہ وہ ابراہیم ہیں جن کی ملت کی ابتداء اور پیروی حضور اور ان کی امت کو کی

حضرت اسما علیہ السلام جاز ہی کی سرزینوں میں مستقل آباد ہو گئے تھے وہیں ان کی شادی ہوئی ان کی شادی کے بعد بھی حضرت ابراہیم اپنے بیٹے حضرت اسما علیہ السلام سے طنے کے لئے جاز کی سرزینوں میں آتے رہتے تھے چنانچہ جب حضرت ابراہیم کی عمر ایک سو پھتر (175) برس کو پہنچی تو آپ نے وفات پائی اور وہ حمرون شہر میں مکفیلہ کے غار میں دفن ہوئے اب اس مقام کو الحلیل بھی کہتے ہیں جو بیت المقدس کے قریب ہے۔

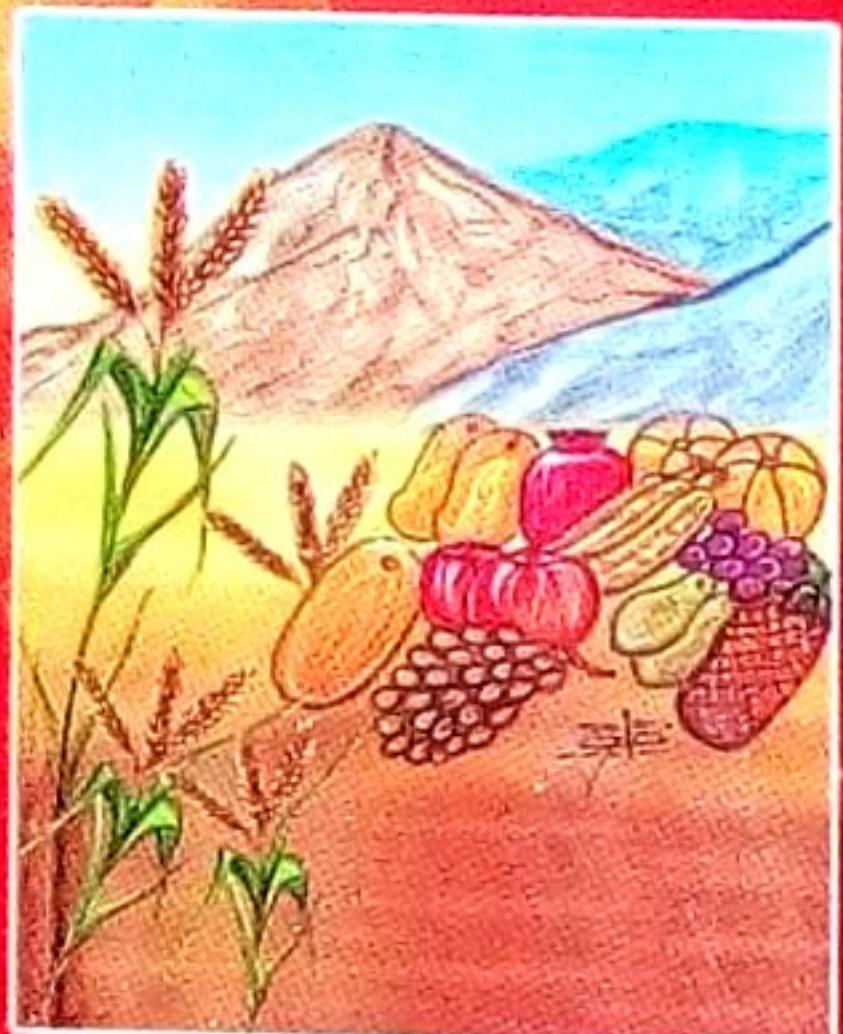


PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY  
[www.pdfbooksfree.pk](http://www.pdfbooksfree.pk)

حضرت عیسیٰ ﷺ

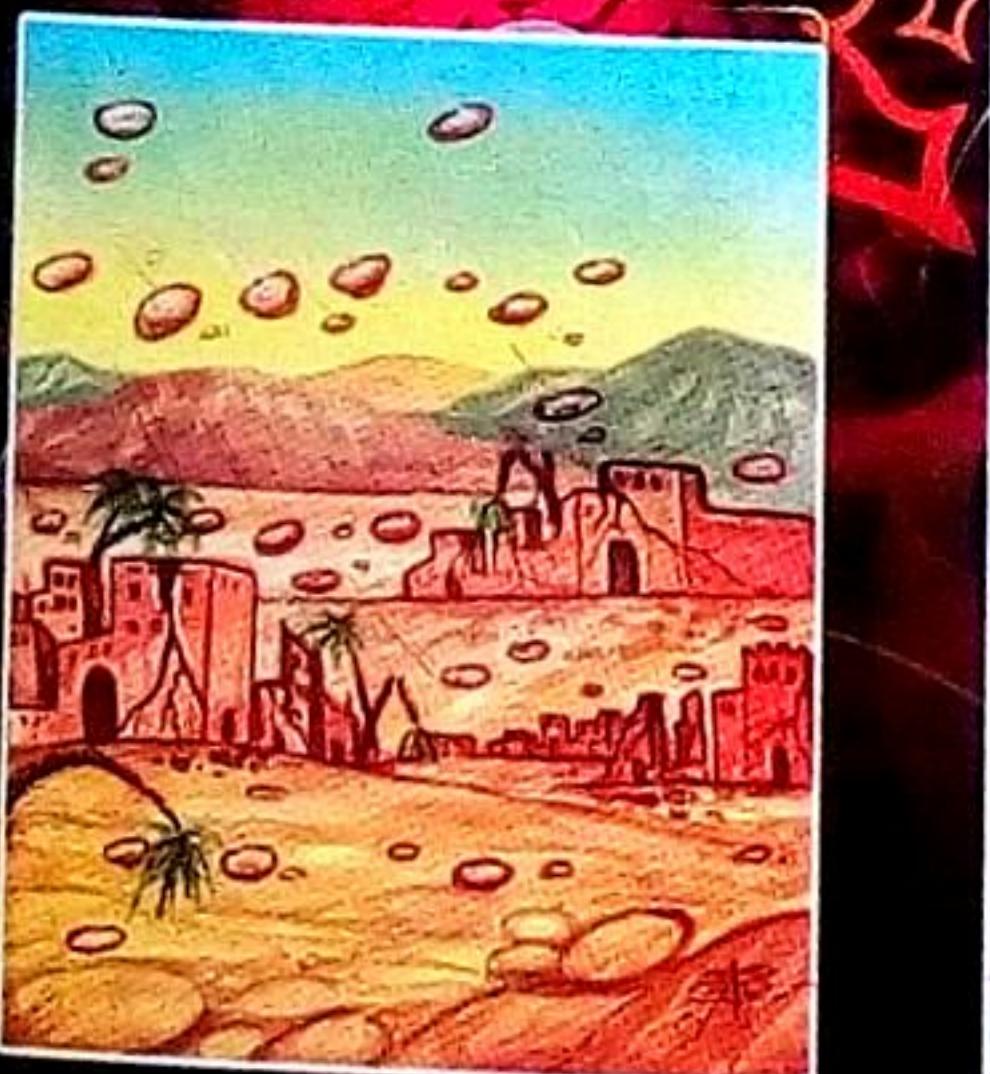


حضرت آدم ﷺ



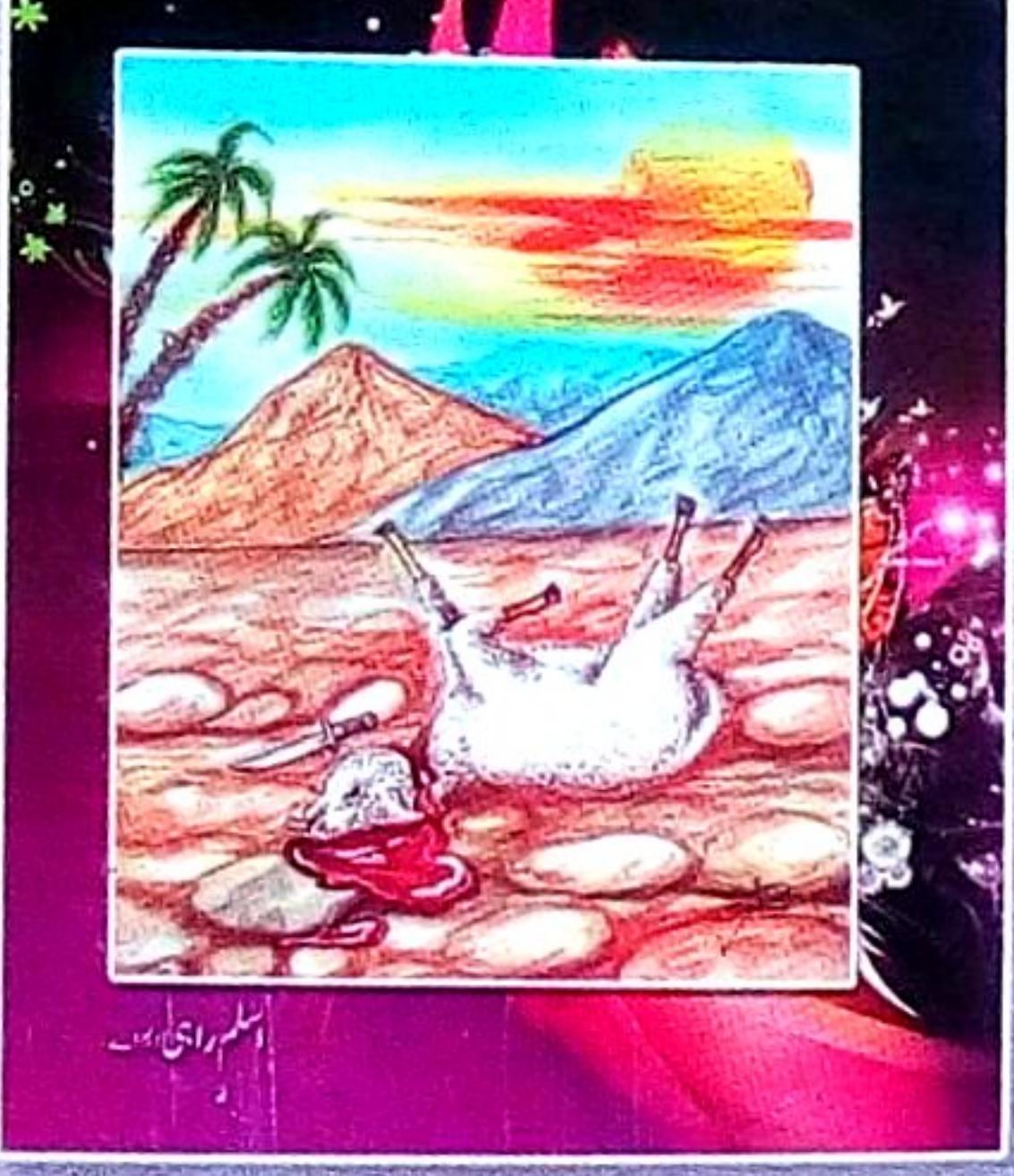
PDFBOOKSFREE.PK

حضرت لوٹ ﷺ



VIRTUAL LIBRARY  
[www.pdfbooksfree.pk](http://www.pdfbooksfree.pk)

حضرت ابراہیم ﷺ



شمع کلت جنسی نیو اردو بازار کراچی  
Ph: 32773302 Courtesy of [www.pdfbooksfree.pk](http://www.pdfbooksfree.pk)